معارف کا زر تعاون

... میں سالانہ ۱۲۰ روپے — فی شمارہ ۱۲ روپے

... میں سالانہ ۳۰۰ روپے

... میں سالانہ — ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

... ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، فرسٹ فلور شیرستان بلڈنگ

دین محمد وفائی روڈ، بالمقابل ایس ایم آرٹس کالج،

کراچی۔ ۷۴۲۰۰ (پاکستان)۔

... صرف منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZ

... کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ

... ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد

... گا۔

... کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

... ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

... فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

... ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی

اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۳ ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۰۴ء عدد ۲

فہرست مضامین

☆☆☆

شذرات

ت یہ ہے اور وہ غلط نہیں ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب ان کی
بعض محکموں میں ان کا وجود ہی نہیں ہوتا، اسی لیے ان کی پس ماندگی
ب سے رہ رہ کر ریزرویشن کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جس کی تائید محض کچھ
تے ہیں مگر اس پر اس وقت گفتگو مقصود نہیں، عرض یہ کرنا ہے کہ عام طور پر
تعداد کی کمی کا سبب تعصب اور ان کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کو سمجھا
یں ہے تاہم اسی کو سبب قرار دے کر مایوس اور پست ہمت ہوجانا غلط
ور تعلیم کی کمی اور مشترکہ قومی مسایل سے عدم دل چسپی بھی ہے، گو اس
یت کے رویے کا دخل ہے، تاہم مسلمان خود بھی سوچیں کہ اگر ان میں
ں پر واقعی ان کو سبقت حاصل ہوتی تو تعصب اور ناانصافی کے باوجود
یشوں میں بھی تو وہ خال خال ہی نظر آتے ہیں اور جو اکا دکا ہیں ان کو
ر وہ بے وقعت اور غیر موثر ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ پورے ملک
جہ سے آزاد پیشوں میں اپنی اہمیت منوانے کی گنجایش بہت مشکل ہے،
سے بے تعلق ہوجانا اور من مانی کرنے کے لیے انہیں دوسروں کے
مان صورتِ حال کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے۔

ہ ہمدرد دہلی مدت سے مسلمانوں کی پس ماندگی دور کرنے اور ملازمتوں
فکر مند ہیں اور اس کے لیے مختلف تدبیریں بھی کررہے ہیں، راشٹریہ
اعت میں یہ خبر دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جمعیۃ علمائے ہند نے جمعیۃ لا انسٹی
کے قیام کی تجویز منظور کی ہے جو ملک بھر میں طلبہ کو قانون کی اعلا تعلیم
ل سروسز میں جانے کی نہ صرف ترغیب دے گا بلکہ ملک اور بیرونِ ملک
لے، وکالت کے لیے اچھے وکلا کے پاس ٹریننگ اور عدالتی امتحانات
یں ان کی رہنمائی اور مدد بھی کرے گا، مزید خوشی اس کی ہے کہ یہ ادارہ
براہی میں قایم کیا گیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ ملک میں اپنے جملہ
نے کے لیے مسلمانوں کا ملک کے دستور اور ملکی اور بین الاقوامی قوانین
ں پیشوں میں آگے آنا اب ناگزیر ہوگیا ہے اور اسی مقصد سے مسلم طلبہ کی

رہنمائی اور مدد کرنے کی غرض سے یہ ادارہ شروع کیا جارہا ہے، جلد ہی اس میں مسلم ممالک کے قوانین میں تعلیم و تحقیق کا ایک مخصوص شعبہ بھی قایم کیا جائے گا، پروفیسر طاہر محمود مسلمانوں کے عالی دماغ لوگوں اور ماہرین قانون میں ہیں، اقلیتی کمیشن کے چیرمین کی حیثیت سے انہوں نے اپنی اچھی ساکھ بنائی ہے، ان کی قیادت میں اس سے اچھے نتایج کی توقع بے جا نہیں، جمعیۃ کا یہ فیصلہ سزاوار تحسین اور لایق تعاون ہے۔

لیکن ۱۱؍ جنوری ۲۰۰۴ء کو جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ نے غیر مسلموں کی شرکت سے ایک سیکولر سیاسی جماعت قایم کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ نامناسب معلوم ہوتا ہے، جمعیۃ کی موجودہ حالت سے قطع نظر یہ مسلمانوں کی پرانی اور فعال تنظیم ہے، اس کی گزشتہ خدمات مفید اور شان دار تھیں، اس کا رشتہ انڈین نیشنل کانگریس سے بہت دیرینہ ہے، اب جمعیۃ نے اس سے قطع تعلق کا سبب یہ بتایا ہے کہ وہ جمعیۃ کی باتیں نہیں سنتی اور مسلم مسایل کو بالکل نظر انداز کررہی ہے، یہ شکایت درست ہے مگر کیا کانگریس کا یہ طرز عمل دفعتاً اب ہوگیا ہے، اس کی تو یہ روش بہت پرانی ہے، اس کے دور حکومت میں کیسے کیسے بھیانک فسادات ہوئے اور اقتدار سے رخصت ہونے کے وقت وہ بابری مسجد کے انہدام کا داغ مسلمانوں کو دیتی گئی مگر جمعیۃ کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کانگریس اب وہ نہیں رہی جو گاندھی، آزاد اور نہرو کے زمانے میں تھی، اسی طرح جمعیۃ بھی اب وہ نہیں رہی جو مولانا حسین احمد اور مولانا حفظ الرحمٰن کے زمانے میں تھی، اب اس کا دایرہ بہت سمٹ گیا ہے اور مسلمانوں پر اس کا اثر بھی بہت کم زور ہوگیا ہے، سیاسی جماعتیں اسی چیز کو دیکھتی ہیں، یہ بحث تفصیل کی متقاضی ہے جس کا موقع نہیں، ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جمعیۃ کا فیصلہ غیر دانش مندانہ ہے، اس کا بہت تلخ تجربہ اترپردیش میں ہوچکا ہے جس سے مسلمانوں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہی درہم برہم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد فرقہ پرست جماعتوں کا اتنا عروج ہوا کہ اب روکے نہیں رک رہا ہے، اس وقت بھگوا جماعتوں اور سنگھ پریوار کی پیش قدمی روکنے کی جو تھوڑی بہت کوششیں سیکولر جماعتیں کررہی ہیں، اس نئی جماعت سے اس میں کمزوری آئے گی، مسلمانوں کا انتشار بڑھے گا، سیکولر ووٹوں کا بکھراؤ ہوگا جو سنگھ پریوار کی فتح کا سبب بنے گا، جمعیۃ کوئی سیاسی جماعت سے کنارہ کش ہی رہنا چاہیے۔

انتخابات کے وقت اجودھیا کا مسئلہ کسی نہ کسی بہانے ضرور چھیڑ دیا جاتا ہے، چنانچہ اب ملک میں پارلیمانی انتخابات ہونے والے ہیں تو پھر اس مسئلے کا چرچا ہونے لگا ہے، اس دفعہ بودھ فرقہ کے روحانی پیشوا دلائی لاما کی جانب سے ایک تجویز جیسے ہی اخباروں میں آئی، اس کے فوراً ہی بعد ملک کے نایب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کی طرف سے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا گیا کہ سرکار اور بی جے پی یہ ہمیشہ کہتی رہی ہیں کہ مسئلہ دونوں فریقوں کے درمیان بات چیت ہی سے حل ہوسکتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ

وسکتا ہے جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں قرارداد پیش کرکے اس
ارا کہنا ہے کہ دونوں فرقوں کے درمیان اس مسئلہ پر کسی قسم کی مفاہمت ہی پایدار
ں میں وہ یہ بھی کہنے سے نہیں چوکے جس سے ان کی کھلی بدنیتی اور ایک فریق پر اپنا
پنے کا یہ ارادہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مسلمانوں کو رام جنم بھومی پر رام مندر بنانے کی
نی چاہیے یہ زخم لگا کر اس کا مرہم یہ دیا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے ذہن میں موجود
ور کرنے کے لیے آگے آنا چاہیے، جس طرح ہندوستان اور پاکستان کے اقدامات
ت میں نئے باب کا اضافہ ہوا ہے، اسی طرح اجودھیا مسئلے کے حل سے ملک میں
نئے دور کا آغاز ہوگا اور ہندو مسلمانوں کے تعلقات نئے نہج پر پہنچ جائیں گے۔
بڑے منصب پر فائز ہوکر کتنی ڈھٹائی سے بابری مسجد کی نفی اور رام جنم بھومی کا
تھا ... ثابت شدہ تھا تو مسلمان اس میں رکاوٹ کیوں ڈالتے اور نایب وزیر اعظم
ر کی اجازت طلب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی، یہ تسلیم شدہ بات تو مسجد کے
ت وشنید سے حل ہوسکتی تھی، اسے منہدم کرنے کے لیے وزیر داخلہ نے ملک کی فضا
لنے کی زحمت کیوں گوارا کی جس کے نتیجے میں ملک میں خون خرابہ بھی ہوا اور دونوں
ی، باتیں گھما پھرا کر کہنے سے دنیا کو تو دھوکا دیا جاسکتا ہے حقایق اور سچائیاں نہیں بدلی
ں لاما کے سامنے بھی اسی طرح بات کہی گئی ہو، وہ ایک فرقے کے روحانی پیشوا اور
بنا پر ہمارے لیے بھی قابل احترام ہیں، ہم ان کے دردمندانہ جذبے کی قدر کرتے
لینے کی اجازت چاہتے ہیں کہ مشورہ دینے سے پہلے انہیں مسئلے کی تہ تک پہنچنا اور
ذمہ داروں سے گفت وشنید کرنا ضروری تھا، مسلمانوں نے یہ معاملہ مسلم پرسنل لا بورڈ کو
ت ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کے جن افراد کو مسئلے کے حل کے لیے سامنے لا رہی ہے،
یں سنا ہے، اس سے اس کی بدنیتی ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ کیوں نہیں بتاتی کہ ہندوؤں
کی جائے گی خود اس سے، کیوں کہ وہ ہندوؤں کا وکیل اور اپنے کو ایک فریق بنائے
سنگھ پریوار اور شنکر آچاریوں سے ۔ اسے دھاندلی، دھونس، جبر، دباؤ اور مکر وفریب کا
ندوستان اور پاکستان کے تعلقات کے نئے باب کے لیے دونوں ملکوں کے لوگوں کو
کر گزار ہونا چاہیے، چاہے بعد از خرابی بسیار ہی سہی، کیوں کہ صبح کا بھولا شام کو اگر واپس
ت، اگر یہ کام کسی دباؤ اور سیاست کے بغیر اخلاص سے ہوا ہے تو پایدار اور خوش گوار ہوگا۔

مقالات

ملتِ حنیفیہ حواشی فتح الرحمٰن میں

از:- پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

مسلم مفکرین اور علماے اسلام میں شاید دینِ حنیفی اور اسلام کے باہمی تعلق وارتباط پر گہری، حقیقی اور بصیرت آمیز نظر شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳-۶۲ ۱۷ء) ہی کی تھی اور وہ ان کے مطالعہ پر مبنی تھی، شاہ فکر وفن کی ایک اہم اور نادر خصوصیت دینی تسلسل اور اسلامی اصولی میراث کی مماثلت میں بصیرت تھی، بہت کم علما وفقہا اور محدثین ومفسرین اور دوسرے اہل علم کو اس سے بہرۂ وافر ملا تھا، اس کے متعدد اسباب تھے، بہ طور دین اور بہ حیثیت شریعت اور بشکلِ تہذیب اسلام کی تاریخ اور اس کے تسلسل پر ان کی نگاہ ذرا کم تھی۔

علماے متقدمین میں تو پھر بھی ان تینوں جہاتِ اسلام کے تسلسل کا ادراک نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے لیکن بعد کے علماے کرام اور دوسرے اہلِ علم کے یہاں یہ ادراک وشعور کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور بسا اوقات مفقود بھی ہوگیا ہے، اسلام کی متعدد جہات میں سے اس کی دینی منزلت، شرعی یا تشریعی حیثیت اور تہذیبی قدر وقیمت اہم ترین ہیں، عام ظاہر بیں اہل علم اور روایت کے خوگر علما ان تینوں جہات کا ہی ادراک نہیں کرپاتے تو ان کے باہمی ارتباط کو کیا پہچانتے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام جہاتِ اسلام سے نہ صرف آگاہی بخشی تھی بلکہ بصیرت وحکمت بھی۔

حضرت ولی اللہ دہلویؒ نے ملت حنیفیہ، دینِ حنفی ابراہیمی یا خالص حنیفیت سے مختلف کتب میں بحث کی ہے، مفصل ومربوط اور اہم ترین بحث تو کتابِ اصلی ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ملتی ہے بالخصوص قسم اول کے چھٹے مبحث کے آخری باب میں لیکن اس کے ماسوا بھی دوسرے مباحث و ابواب اور دوسری تصانیف میں ملت حنفی پر ان کی نگارشات ملتی ہیں اور خاصی قیمتی ہیں۔

☆ ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

'' کے حواشی میں شاہ موصوف کے اشارات بھی ملت حنیفی پر
آیات کریمہ کے حوالے سے مختلف سورتوں کے ... میں
کیا جا سکتا ہے، البتہ ان کا مطالعہ کر کے آخر میں ان کو ایک
ں اس مختصر مقالے کا مقصود ہے، ان کے فرزند اردو شارح
سے تعرض کیا ہے لہذا ان کو اس مطالعہ میں سمیٹ لیا گیا ہے،
آن مجید کی ابتدا سے آخر تک سورت بہ سورت ان نکات کو
م ہوتا ہے کہ ملت حنیفیہ سے متعلق حواشی اور نکات کو مختلف

یفیہ | شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ایک اصولی موقف یہ ہے
عثت، نبوت اور رسالت دین حنیفی اور ملت ابراہیمی کے
ی کہ حضرت ابراہیم تمام ادیان عصر اور شرائع اسلام اور
ت اور منبع ومصدر کل تھے، دنیا کے چار بڑے مذاہب
اور ان کی شریعتوں کے اصلی ماخذ وہی تھے، اسلامی نقطۂ
دین واحد کے مختلف تشریعی مظاہر ہیں اور ہم آہنگ ہیں
ب آسمانی حضرت ابراہیم کے دینی منبع سے برآمد ہوئے
ی دینی اور تشریعی نسبت حضرت ابراہیم سے کرتے ہیں
دہلویؒ نے اسی بنا پر لکھا ہے کہ '' دین اسلام ہمیشہ ایک
یں، وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ سو قبول کرنا''،
ظر میں اس بنا پر دین ابراہیمی دراصل سرشتۂ تسلسل اور
ا ماند رواں دواں ہے اور اصل دین اور اصل شریعت اور
نیفیہ بھی کہتے ہیں اور ملت حنیفیہ ابراہیمی، اسمٰعیلی بھی
ت بیضا، ملت محمد اور خالص حنیفیت بھی کہا گیا ہے۔
نے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کو ملت حنیفیہ اسماعیلیہ سے

مربوط کیا ہے: ''فاعلم انه ﷺ بعث بالملة الحنيفية الاسماعيلية ......'' (۱۴۲/۱،
نیز ملاحظہ ہو: مضمون خاکسار'' جاہلی عہد میں حنیفیت'' معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر-نومبر ۲۰۰۳ء، ص
۲۴۵-۲۷۰) اور ''فتح الرحمٰن'' میں بعثت نبوی کا مقصد ملت حنیفیہ کا احیا قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:
''ازیں جا تا سیقول السفہاء خدائے تعالیٰ اثبات می فرماید نبوت پیغمبر ما را ﷺ از قصۂ دعاء حضرت ابراہیم کہ در توریت مذکور است و ترجیح میدہد ملت حنیفیہ را کہ حضرت پیغمبر برائے آں مبعوث اند......''
(سورہ بقرہ-۱۲۳: يبنى اسرائيل اذكروا نعمتى ...... ولاهم ينصرون)۔

اسی حاشیہ میں شاہ موصوف نے مزید لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قول یہود کی تردید کی تھی حضرت یعقوبؑ نے ان کو یہودیت کی وصیت کی تھی، قرآن مجید کا بیان واضح ہے کہ حضرت یعقوب نے اپنے فرزندانِ گرامی قدر کو ان کے آبائے کرام حضرات ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق کے الہ کی عبادت کرنے کی وصیت کی تھی اور ان عظیم المرتبت فرزندانِ اسرائیل (بنو اسرائیل) نے اس کا اقرار وعہد کیا تھا، قرآن مجید نے ان کے اقرار کا ہی ذکر کر کے وصیتِ اسرائیل کا حوالہ دیا ہے جو خاص اسلوب قرآنی ہے، اس آیت کریمہ میں حضرت اسماعیل کا ذکر معنی خیز ہے: ''اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ، اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِى، قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ'' اور وہی دراصل ارتباط اور تسلسل کی شہ رگ ہے کیوں کہ حضرت اسحاق کے ذریعہ حضرت ابراہیم کے تسلسل کے تو بعد کے یہود بھی قائل ومعترف ہیں، ان کا انکار اور اعراض تو حضرت اسماعیل کے واسطہ سے حضرت ابراہیم تک ارتباط کا تھا، قرآن مجید نے ایک ہی سلسلۂ بیان میں یہ واضح کر دیا کہ حضرات ابراہیم واسحاق ویعقوب (اسرائیل) کا نسلی سلسلہ دوسرا ہو سکتا ہے لیکن ان کا دینی ارتباط اور ان کی ملت کا تسلسل جس طرح اسی اسرائیلی سلسلے سے ہے اسی طرح اسماعیلی ابراہیمی سے بھی ہے، دونوں کا دین، ان کی شریعت اور ان کی تہذیب ایک ہی اساس- اساسِ ابراہیمی، دین حنیفی - پر مبنی ہے اور خواہ حضرت یعقوب واسحاق کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم تک عروج کیا جائے یا اسماعیل وابراہیم کے تعلق سے رشتہ جوڑا جائے، ان کا دین وشریعت اور تہذیب ایک ہے اور وہ ہے ملت حنیفی اور دین ابراہیمی جس کا یہود وغیرہ انکار کرتے ہیں اور

رآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں ''حنیف'' کالفظ آیا ہے اور
ے، حضرت ابراہیمؑ کے لیے خاص طور سے لفظ واصطلاح
ں ہے اوران کی ملت حنفی اوردین حنفی کی پیروی کی ہدایت
ﷺ کوملت حنفی کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے، مفسرین کرام نے
ہیں اور سیرت وحدیث میں بھی ان کے متعدد معانی و
ے حوالے سے، ان میں قدر مشترک یہی ہے کہ جو شخص ملت
س کی مفصل بحث ہمارے سابقہ مضمون میں گذرچکی ہے)
ضمن میں سورۂ آل عمران-۶۷: ما كان ابراهيمُ
كان حنيفًا مُسلمًا وما كان من المُشركين
ں چسپ تعریف لکھی ہے، حنیف اس شخص کو کہتے ہیں رکھتے
رتا، حج ادا کرتا، ختنہ کرتا اور غسل جنابت بھی کرتا ہو، اس کا
کا نام تھا جو شریعت ابراہیمی میں دین دار اور متدین ہوتا تھا،
ں کعبہ کند، وحج گذارد، وختنہ نماید، واز جنابت غسل کند،
ہیمی متدین باشد''، سورۂ نحل-۱۲۰: ثُمَّ اَوحَینا الیک
کی تشریح میں شاہ بزرگ نے صرف تین احکام ابراہیمی کے
یند کہ حج وختنہ وغسل جنابت می کردہ باشد''۔
رت نگاروں کی تعریفات حنیف سے متاثر ہوکر شریعت
حکام کی پابندی کا ذکر کردیا ہے، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی
م کو ہوئی کہ صرف ان چار احکام حنفی کی پابندی رہ گئی تھی یا
ان کا حاصل کلام بھی وضاحت کرتا ہے کہ تمام احکام حنفی یا
ں میں ''متدین'' حنیف بننے کے لیے ضروری، لازمی اور

شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے مسلم اور حنیف کے معانی اسی آیت کریمہ سے نکالے ہیں جو مختصر ہونے کے باوجود معتبر ہیں: ''...... بلکہ ابراہیمؑ نے اپنے تئیں حنیف کہا ہے یا مسلم، حنیف کے معنی جوکوئی ایک راہ حق پکڑے اور سب راہ باطل چھوڑ دے اور مسلم کے معنی حکم بردار اور اگر یہ غرض ہے کہ دینوں میں یہود کے دین کو یا نصاریٰ کے دین کو زیادہ مناسبت ہے ابراہیم کے دین سے، سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زیادہ مناسبت ابراہیم سے اس وقت کی امت کو تھی یا پچھلی امتوں میں اس نبی کی امت ہے تو یہ امت نام میں بھی اور راہ میں بھی ابراہیم سے مناسبت زیادہ رکھتی ہے......''۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دین حنیف اور ملت ابراہیمی کو آفاقی اور اصلی اسلام کے مترادف قرار دیا ہے، اسی بنا پر وہ سورۂ یونس-۱۹ میں واقع حقیقت ثابتہ کو ملت ابراہیمی سے تعبیر کرتے ہیں، فرمان الٰہی ہے: وما كان الناسُ الا اُمَّةً وَّاحدةً فاختلفوا (نبودند مردمان مگر یک امت ف۱ پس اختلاف کردند[۲]:)، حاشیہ میں وضاحت فرمائی ہے کہ اختلاف سے قبل وہ توحید اور ملت ابراہیمی پر قائم تھے اور عمرو بن لحی کے سبب اختلاف کا شکار ہوگئے (یعنی بر توحید وملت ابراہیمی، یعنی بسبب عمرو بن لحی) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ عمرو بن لحی خزاعی نے ہی عربوں میں بت پرستی رائج کی تھی، شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اس آیت کریمہ میں ملت ابراہیمی کے بجائے اللہ کا ایک دین مراد لیا ہے جو اس سے وسیع تر خیال ہے، البتہ سورۂ یونس-۱۰۵: وَاَن اَقِمْ وجهَكَ للدينِ حنيفًا ...... ''اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر، حنیف ہوکر'' ترجمہ کے بعد شاہ عبدالقادر نے حاشیہ میں وضاحت کی ہے ''حنیف نام ہے دین ابراہیمی والوں کا اور عرب شرک کرتے اور آپ کو حنیف کہے جاتے''۔

ملت ابراہیمی، اولاد ابراہیمی اور دین حنفی کا دعویٰ قریش کو بطور خاص تھا لیکن قرآن مجید نے واضح کیا کہ محض خاندان میں پیدا ہوجانا اولاد ابراہیمی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے اور نہ ہی ملت ودین حنفی کی چند رسوم پر عمل کرنے سے آدمی حنیف بن جاتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی پرہیزگار اور متقی بھی ہو جیسا کہ سورۂ انفال-۳۴ میں ارشاد باری تعالیٰ واضح الفاظ میں آیا ہے: ان اولياؤُهٗ الا المتقون ولكن اكثرهم لا يعلمون ''اس کے اختیار والے وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن وہ اکثر خبر نہیں رکھتے''، شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے ترجمہ کرکے اس کا حاشیہ لکھا ہے

عبہ کا مختار ٹھہراتے تھے اور مسلمانوں کو آنے نہ دیتے، سوفرمایا
ی کا حق ہے اور بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے ناخوش
ے نے اس مقام پر تو کوئی صراحت نہیں فرمائی ہے تاہم ان کا
ی کے ضمن میں ملتا ہے۔

ہے کہ '' آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری اور کتاب
انا ان کو حلال ہے......''، اسی آیت کریمہ میں اہل کتاب کی
ل بتائی گئی ہیں، شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے موضح القرآن میں
ی چیزیں حلال ہوئیں یعنی حضرت ابراہیم کے وقت یہ سب
یہود کی سزا میں اکثر چیزیں منع ہوئیں اور انجیل میں حلال و
ین ابراہیم کے موافق سب حلال ہوئیں......'' (۱۷۵)، شاہ
ے اہل کتاب کے حلال کا ذکر کیا ہے، شاہ عبدالقادر دہلویؒ
صر و جامع بیان دیا ہے جو یہاں نقل کرنے کے لائق ہے

صاف حلال ہے اس سے پرہیز کرنا برا ہے، یہ دو طرح
ے اپنے اوپر تنگ پکڑے، یہ رہبانیت ہمارے دین
کہ جو منع ہو اس کے نزدیک نہ جاوے، دوسرے یہ کہ
بتر نہیں، جو کام موافق شرع ہے اس سے قسم نہ کھاوے
ے''، (نیز مائدہ-۱۰۰ کا موضح القرآن نمبر ۳ صفحہ ۲۰۲:
کے وہ پاک ہے، تھوڑا بھی بہتر ہے اور خلاف شرع جو
، بہتات پر نظر نہ کرے، بکرے کا گوشت ایک سیر بہتر

۱۲ میں ملت حنفی سے مراد صرف تین احکام حج، ختنہ، غسل
شاہ عبدالقادر دہلوی نے دین کا وسیع مفہوم اور حلال وحرام

احکام کا وسیع تر دائرے بھی اس سے مراد لیا ہے، ''یعنی حلال اور حرام میں اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے اور عرب کے لوگ کہتے ہیں آپ کو حنیف اور شرک کرتے ہیں اس کی راہ پر نہیں''، شاہ خورد نے آگے کی آیات کریمہ میں دوسرے مذاہب وشرائع اور دین محمدی کا فرق بھی بتایا ہے اور اس کو ملت ابراہیمی سے مربوط کیا ہے: ''......درمیان میں یہود ونصاریٰ کو موافق ان کے حال کا اور حکم بھی ہوئے، آخری پیغمبر پھر اسی ملت پر آئے''، سورۂ نحل-۱۲۴ میں مذکور ہفتہ/سنیچر (سبت) کے دن کے باب میں لکھا ہے کہ ''......اصل ملت ابراہیم میں ہفتے کا کچھ حکم نہ تھا، اس امت پر بھی نہیں''، شاہ بزرگ کے ہاں یہ حواشی یا تشریحات نہیں ہیں۔

اہل جاہلیت کی تحریفِ احکامِ حنفی کا ازالہ

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں مربوط و مسلسل انداز میں اور ''حواشی فتح الرحمٰن'' میں موقع و محل کے لحاظ سے شاہ صاحب اہل جاہلیت کی تحریفات کا ذکر کر کے اصل احکام حنفی کے احیا کرنے کو بعثت نبوی محمدی کا ایک اہم ترین مقصد بتاتے ہیں، اس کی بنیاد یہ ہے کہ اہل عرب کا دین ملت حنفی یا حنیفیت تھی جس طرح وہ دوسرے مذاہب وشرائع کی اساس تھی، یہود ونصاریٰ نے اس میں تحریف کر کے یہودیت اور نصرانیت ایجاد کی جو ملت ابراہیمی اور دین حنفی کی بگڑی صورت تھی، سورۂ بقرہ-۱۲۴ کے حاشیہ میں شاہ عبدالقادر رقم طراز ہیں کہ ''بنی اسرائیل بہت مغرور اس پر تھے کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو وعدہ دیا کہ نبوت اور بزرگی تیرے گھر میں رہے گی اور ہم ابراہیم کے دین پر ہیں اور اس کا دین ہر کوئی مانتا ہے، اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ ابراہیم کی اولاد کو ہے جو نیک راہ پر چلیں......''، جاہلی عربوں نے امتداد زمانہ، اثرات دنیا اور خواہشات نفس کے زیر اثر دین حنفی اور اس کے احکام کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے سورہ بقرہ-۱۱۳ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''جس کے پاس علم نہیں وہ عرب کے لوگ کے آگے حضرت ابراہیم کا دین رکھتے تھے پھر آخر بھٹک کر بت پوجنے لگے......''۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کبھی صریح انداز میں اور کبھی مضمر طور سے دین حنفی کے احکام میں اہل جاہلیت کا نفسانی اور تحریفی انداز بیان کرتے ہیں، ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت نے احکام حنفی میں انصاف وصداقت کی روش نہیں اپنائی، سورہ بقرہ-۱۴۱ کے حاشیہ میں، جو در اصل کئی

م حنفی کی جاہلی تحریفات پر لکھا ہے:

ر فرمود بر صبر بر مشاق جہاد و در بسیارے از احکام

و نکاح وطلاق کہ اہل جاہلیت تحریف کردہ بودند یا

یقت حال فرمود......''

بلکہ اپنے والد ماجد سے اکتساب فیض نہیں کیا، شاہ بزرگ کا

رمایا کہ جہاد کی مشقتوں اور احکام توحید وقصاص وحج وصوم

و فرمائیں کہ اہل جاہلیت نے ان میں تحریف کردی ہے یا

یان فرمادی۔

نفی کا واضح ذکر نہیں ہے لیکن مراد وہی ہے کیوں کہ جاہلی

نے بھی دین حنفی کے احکام ہی میں تحریف کی تھی، شاہ ولی

ے متعلق نہیں بلکہ آیندہ تمام آیات کریمہ بالخصوص آیت

ہل جاہلیت کی تحریفات کو سمیٹ لیا ہے جیسا کہ اس تبصرہ

احکام حنفی کا دایرہ کافی وسیع ہے جیسا کہ ان کے تبصرہ میں

احکام توحید وقصاص وحج وصوم وصدقہ ونکاح وطلاق'' اور

تے۔

ہ دوبارہ تحویل قبلہ کی آیت کریمہ بقرہ-۱۴۲ میں بھی دہرایا

کے قلم سے کسی حکمت کے تحت وقوع پذیر ہوئی ہے یا کاتبین

، حضرت شاہ صاحب نے متعدد دوسرے احکام کے ضمن

سے دین حنفی کا ذکر مضمر طور سے کیا ہے۔

ت کے ضمن میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ دین حنفی کا واضح حوالہ نہیں

- ۱۶۸ کے حکم الٰہی کہ زمین کی تمام حلال و پاک چیز کھاؤ کا

''......اہل جاہلیت چیز ہارا از نیز دخویش حرام ساختہ بودند،

ماں نازل کرد''، حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے ان کی منشا

اور مراد کو اپنی اردو شرح میں کھول دیا ہے: ''عرب لوگوں نے دین ابراہیم کئی طرح بگاڑا تھا، اول سوائے خدا کے پوجنے لگے تھے اور ان کی نیاز جانور ذبح کرنے لگے کہ وہ مردار ہوتا ہے اور کفر ہے، اور مواشی میں سے کئی چیزیں حرام ٹھہرالیں جو سورۂ مائدہ اور انعام میں بیان ہے اور گوشت خوک حلال سمجھا، ان باتوں پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے''

انہیں جاہلی تحریفات کے ضمن میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سورۂ مائدہ-۱۰۳ میں مذکور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اہل جاہلیت احکامے چند اختراع کردہ بودند و درانہا بہ قولِ اسلاف خود تمسک می نمودند...... خدائے تعالیٰ ایں ہمہ را فسخ فرمود و آیت فرستاد'' (ص ۱۵۱، حاشیہ ۳)۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے بھی اس کو بلا حوالہ دین ابراہیمی بیان کیا ہے جس طرح شاہ بزرگ نے لکھا ہے لیکن مراد وہی ہے نیز سورۂ انعام-۱۳۷، ص ۱۷۶، حاشیہ-۱۔

سورۂ انعام-۱۴۴، ۱۴۵ میں جن آٹھ مویشی جوڑوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جاہلی تحریفات کو اگر صحیح ثابت کرنا ہے تو حضرات ابراہیم واسماعیل یا کتب الٰہیہ سے سند لاؤ، یہ خطاب اہل جاہلیت کو ہے ''یعنی نقلے صحیح بیارید از ابراہیم واسماعیل واز کتب الٰہیہ......'' (ص ۱۷۷)۔

احکامِ حنفی کا تسلسل شریعتِ محمدی میں

ملت حنیفیہ یا دین حنفی کے احیا کا مقصد بعثتِ نبوی ہونے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت ابراہیمی کے اکثر و بیشتر احکام شریعت محمدی میں بھی جاری رہے، یہاں دراصل شرائع اسلامی کے تعلق سے ایک اصولی بات سمجھنی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیا کرام اور رسولانِ عظام کو شریعتیں عطا فرمائیں اور ان میں بنیادی چیز مماثلت و یکسانیت تھی یعنی بیشتر احکام تمام شریعتوں میں یکساں رہے کہ ان کا مدار غیر مبدل سنتِ الٰہی اور فطری طریقت پر استوار ہوا تھا، ان کا ہر شریعت میں بدلنا ضروری تھا اور نہ ممکن، البتہ چند احکام جو حالات عصر کے تحت دیے گئے تھے وہ تبدیل ہوتے رہے تھے۔

دین وشریعت ابراہیمی کے جن احکام کا تسلسل بقا ان کا اجرا شریعتِ محمدی میں بھی رہا ان میں ایک سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں - رجب، ذوقعدہ، ذوحجہ، محرم کا مقدس اور

مقدس ومحرم مہینوں کا ذکر سورۂ بقرہ-۲۱۶ کے حوالے سے بھی آیا
۳۶ میں ہے ،حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سورۂ بقرہ کے حاشیہ
ں مہینوں میں جنگ کرنا شریعت ابراہیمی میں حرام تھا اور وہی حکم
یا جس کی صراحت قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ نے کی ہے۔

وذی القعدہ وذی الحجہ ومحرم کہ در شریعت حضرت ابراہیم
رام بود ، پس سوال کردند کہ در شریعت محمد یہ حکم تحریم باقی
(۴)۔

نے سورۂ توبہ-۳۶ کے حاشیہ میں یہی بات مختلف انداز سے لکھی
یف کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اس حکم میں تحریف کرتے تھے اور مقدس
وجدال کیا کرتے تھے۔

ضرت ابراہیم مقرر بود کہ در محرم ورجب وذی قعدہ وذی الحجہ
جاہلیت ایں حکم را تحریف کردہ گاہے صفر را محرم می ساختند و
ایں را نسی می گفتند ، خدائے تعالیٰ ایں اصل حکم باقی داشت
گاہ درست نیست ، ودریں ماہ باحرمت آں مغلظ می شود و
ت است ، ونفی تحریف ایشاں فرمود" (۲۳۲/۱، حاشیہ۴)۔

رے بیان میں چار مہینوں کے حکم تحریم کو نہ صرف دین ابراہیمی
بھی بتایا ہے جسے شریعت محمدی میں باقی رکھا گیا ، چنانچہ وہ چار
شاہ صاحب نے کافروں سے ہر زمانے میں جنگ وجدال یا
یہ میں اس کا جواز بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان چار مقدس
ہے اور وہ ایک ابدی اور مستقل حکم ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں
ے اسلام کا اس پر اتفاق واجماع بھی پایا جاتا ہے۔
وشارح شاہ عبدالقادرؒ دہلوی نے ان آیات واحکام میں مزید

"حج کے ساتھ میں یہ بھی مذکور ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے وقت سے
شہر مکہ جائے امان ہے ، اگر یہاں دشمن کو دشمن پاتا تو بھی کچھ نہ کہتا اور حج کے اول و
آخر تین مہینے : ذی قعدہ ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب کہ وہ بھی وقت زیارت تھا ،
یہ چار مہینے وقت امان کے تھے کہ تمام ملک عرب میں راہیں جاری ہوتیں اور لڑائی
موقوف رہتی ..."۔

سورۂ توبہ-۳۶ میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی تشریح شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بات کو مزید
نکھارتی ہے۔

"ہمیشہ حکم شرع میں برس ہے بارہ مہینے کا ، نہ کم نہ زیادہ اور دین ابراہیم
میں چار مہینے حرام تھے : ذی قعدہ ، ذی الحج ، محرم ، رجب کہ ان میں لڑنا حرام تھا ، ملک
عرب میں امن تھا تا کہ لوگ دور اور نزدیک کے حج وعمرہ کر سکیں ، اب اکثر علما کے پاس
یہ حکم نہیں ، اس آیت سے بھی نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے اور آپس میں ظلم
کرنا ہمیشہ گناہ ہے ، ان مہینوں میں زیادہ لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا
ادب مانے تو ہم بھی اس سے ابتدا نہ کریں لڑائی کی ..."۔

جن علمائے کرام نے کافروں سے جہاد کو ان مہینوں میں بھی جائز قرار دیا ہے دونوں
شاہوں نے اس کا حوالہ دیا ہے لیکن ایک کانٹے کی بات شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے آخری جملے میں
موجود ہے کہ اگر کوئی ان کا احترام کرے تو اہل اسلام کو بھی اس کی رعایت کرنی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک اصولی بحث یہ کی ہے کہ شریعتوں میں اختلاف حالات و
ضروریات کے تحت ہوتا ہے اور تمام شریعتیں حق ہیں اور ان کے اپنے زمانے میں ان پر عمل ہوتا
رہا ہے ، لہٰذا ان کے معاملے میں کسی قسم کا نزاع نہیں کرنا چاہیے :

"... دریں آیت اشارہ است بآنکہ اختلاف شرائع بسبب اختلاف تطور
است ، وہمہ شرائع حق ست ، ودر زمان خود معمول بہ است ، پس تنازع در حقیقت بآنہا
نباید کرد" بحوالہ سورۂ حج-۶۸ ، **وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون**
"واگر مکابرہ نمایند با تو بگو خدا دانا ترست بآنچہ می کنید" اور اگر جھگڑنے

ہے جو تم کرتے ہو"۔
وتشریح بہت خوبصورت، واضح اور حقیقت نما ہے کہ وہ شرائع
صل دین ہمیشہ سے ایک ہے اور احکام ہر دین میں جدا آتے

بحث ایک اور مقام پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کی ہے کہ اللہ
م پر نازل ہوا وہ سب اصول دین میں متفق ہیں اور شریعتوں
اسی کو سمجھنا ضروری ہے۔
ست کہ انبیا در اصول دین متفق اند و اختلاف شرائع در

وئؒ نے یہ تعبیر فرمائی ہے کہ "اصل دین ہمیشہ ایک ہے، اس
ید ٹھہرا دیے ہیں اللہ نے" (بحوالہ سورۂ الشوریٰ -۱۳)۔
لی آفاقیت ہی وہ بنا تھی جس پر رسول اکرم ﷺ کو حضرت ابراہیم
ہدایت ربانی ہوئی جیسا کہ سورۂ نحل -۱۲۳ میں حکم ہے:
یک أن اتبع ملة ابراهيم حنيفا، بعد
پیروی کن کیش ابراہیم را حنیف شد، پھر حکم بھیجا ہم
ایک طرف کا تھا"۔
ان کے فرزند گرامی شاہ عبدالقادر دہلویؒ ان علما و اکابر اسلام
کی کرتے ہیں مگر شاہ بزرگؒ نے اس میں بھی حکیمانہ انداز پیدا
ن کافر کے لیے استغفار کرنے میں ان کے طریقے کی پیروی

یم نہ شاید کردن و استغفار برائے کافر درست نیست"۔
کی ایک اور جہت کا اضافہ اپنی تشریح میں کر دیا کہ اقتدا
نی جہت بھی عطا کر دی" ابراہیم نے ہجرت کی، پھر اپنی

قوم کی طرف منہ نہ کیا تم بھی وہی کرو، ایک ابراہیم نے دعا چاہی تھی باپ کے واسطے جب تک معلوم نہ تھا، تم کو معلوم ہو چکا تم کافر کی بخشش نہ مانگو"۔ (بحوالہ سورۂ ممتحنہ -۵:

...الا قول ابراهيم لابيه لأستغفرنّ لك الخ)۔

ملتِ اسلام اور ملتِ حنیفی کا گہرا ارتباط اور ان دونوں کا لزومی تسلسل اس کے نام میں بھی پایا جاتا ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس ارتباط اور تسلسل کو ملت حنیفیہ محمد اسلامیہ / اسماعیلیہ کے علاوہ اسلام بھی قرار دیا ہے، بالخصوص اس ملت الٰہی کے ماننے والوں کا نام مسلمان رکھا گیا جیسا کہ سورۂ حج -۷۸ میں وضاحت سے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:۔

"... مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ، شروع کردہ دین پدر شما ابراہیم، خدا نام نہاد شما را مسلمان پیش ازیں، و در قرآن نیز، تا باشد پیغامبر گواہ بر شما و باشید شما گواہ بر مردمان" "دین تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان حکم بردار، پہلے سے اور اس قرآن میں، تا رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر"۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ترجمہ سے ہی ظاہر ہے کہ وہ مسلمان / مسلمین نام رکھنے والا اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں جب کہ بعض مفسرین اور مترجمین تفسیری روایات سے متاثر ہو کر الجھن کا شکار ہو گئے ہیں کہ نام رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہے یا حضرت ابراہیمؑ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ اپنے پدر گرامی کے بجائے مفسرین کے ہم نوا ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر ان کا حاشیہ موضح القرآن مختلف ہے:

"ف۳: اس نے تمہارا نام رکھا مسلمان، یعنی اللہ نے یا ابراہیم نے، پہلی دعا میں کہا کہ امت مسلمان پیدا کر اور اس قرآن میں شاید انہیں کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو اور تا رسول بتانے والا ہو یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور امتوں کو سکھاؤ اور رسول تم کو سکھاوے اور یہ امت جو سب سے پیچھے آئی سب کی غلطی اس پر معلوم ہوئی، سب کو صحیح راہ بتاتی ہے" بلاشبہ نام رکھنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے کہ آیت کریمہ کے ماقبل حصہ میں مختلف افعال کا فاعل وہی ہے **حضرت** ابراہیمؑ نہیں ہیں لہذا وہ تسمیہ کے بھی نہیں ہیں۔

بیان سے تسلسل، تفاعل اور تفاعل کا ثبوت ملتا ہے بالخصوص شاہ عبد
نہوں نے سورۂ مومنون-۵۲، ۵۱ کے حواشی میں حرام وحلال اور
بھی اس ارتباط کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔
ں کے دین میں یہی ایک حکم ہے کہ حلال کھانا، حلال راہ سے کما کر
خلق جانتے ہیں''۔
باتھ اللہ نے، جو اس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اس کا سنوار فرمایا
حکم جدا جدا ہے، آخر ہمارے پیغمبر کے ہاتھ سب بگاڑ کا سنوار اکٹھا
دین ہو گیا''۔
نے اسی طرح سورۂ الشعراء-۸۴: ''واجعل لی لسان صدق
سچا پچھلوں میں'' کے حاشیہ میں ملت و دین ابراہیمی کے تسلسل کی
کہ آخر زمان میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور امت ہو اور میرا
دہلویؒ نے اس تسلسل اور ارتباط کو سورۂ بقرہ-۱۴۳ کے حاشیہ میں
ح ان دو باتوں میں دیکھا کہ تمہارے پاس ہے پوری بات اور
م سب نبیوں کو مانتے ہو اور یہود و نصاریٰ کسی کو مانتے ہیں اور کسی
ہے کہ ابراہیم کے وقت سے مقرر ہوا ہے...... اسی طرح ہر بات
ں کو حاجت ہے کہ تم بتاؤ اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی امت بتاوے

اگرچہ دین حنفی، ملت ابراہیمی اور شریعت خلیلی میں بنیادی
ے گئے تھے تاہم جاہلی عربوں کی مانند، یہود و نصاریٰ اور دوسری
کر دی تھی اور ان کا حلیہ بدل دیا تھا، ان کو بعض احکام وقتی اور
ں احکام کے بارے میں غلط فہمی یا ابہام پیدا ہو گیا تھا، جیسا کہ
لُ الطعام کان حلاً لبنی اسرائیل الا ما حرّم
من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتوراۃ

فاتلوھا ان کنتم صدقین'' - ہمہ طعام حلال بود بر بنی اسرائیل مگر آنچہ حرام کردہ بود یعقوب بر خویشتن پیش از انکہ توریت نازل کردہ شود، بگو بیارید توریت پس بخوانید آں را اگر ہستید راست گوے'' / ''سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو، مگر جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے اپنی جان پر توریت نازل ہونے سے پہلے، تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو''۔

یہود اپنی غلط فہمی یا کج مطلبی کے سبب مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ ملت ابراہیمی کے پیرو ہونے کے دعوے کے باوجود وہ احکام حنفی کی خلاف ورزی کرتے تھے، اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند شاہ عبدالقادر نے بیان کی ہے، شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے پدر گرامی کے فارسی بیان کو اپنی سلیس اور شستہ اردو میں بیان کیا ہے، جو درج ذیل ہے:-

''یہود کہتے کہ تم کہتے ہو، ہم ابراہیم کے دین پر ہیں اور ابراہیم کے گھرانے میں جو چیزیں حرام ہیں، سو کھاتے ہو جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ، اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں آپ لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم کے وقت حلال تھیں جب تک توریت نازل ہوئی توریت میں خاص بنی اسرائیل میں حرام ہوئی ہیں، مگر اونٹ توریت سے پہلے حضرت یعقوب نے اس کے کھانے سے قسم کھائی تھی، ان کی تبعیت سے ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا، اس قسم کا سبب یہ تھا کہ ان کو ایک مرض ہوا تھا، انہوں نے نذر کی کہ اگر میں صحت پاؤں تو جو میری بہت بھاوت کی چیز ہو وہ چھوڑ دوں، ان کو یہی بہت بھاتا تھا سو نذر کے سبب چھوڑ دیا''۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا فارسی حاشیہ حسب ذیل ہے:-

''...... یہود بر حضرت پیغامبر ﷺ طعن می کردند کہ شما دعوی ملت ابراہیمی می کنید، و آنچہ در خاندان ابراہیم نمی خوردند مانند گوشت شتر و شیر آں میخورید، حق تعالی جواب داد کہ ہمہ چیز حلال بود پیش از نزول توریت، الا گوشت و شیر شتر، تحریم گوشت و شیر شتر ملت ابراہیم نیست، خاصۂ بنی اسرائیل بود بسبب تحریم جد ایشاں۔

احکام حرام وحلال کا حوالہ اس سے قبل دین حنفی کے تسلسل کے بیان میں بھی آ چکا ہے اور دوسرے مباحث میں بھی ملتا ہے۔

تاریخ وعقیدہ کے مطابق حضرت ابراہیم کا قبلہ وکعبہ مکہ مکرمہ کا
احادیث کا بیان ہے کہ مکی کعبۃ اللہ ہی اولین خانہ الٰہی، کعبۂ
، بعد میں بعض شریعتوں میں بیت المقدس قبلہ وکعبہ بنا، خواہ یہ
یا تشریعی لحاظ سے، اصل قبلۂ دین اسلام شروع سے مکہ مکرمہ کا
و اسماعیل کے زمانے سے بالخصوص ان ابوالانبیاء، خلیل اللہ اور
سے حتمی ثبوت رکھتا ہے۔
تفسیری حواشی اور دوسری نگارشات میں بھی اس کا حوالہ ضرور آتا
ن کے اردو شارح شاہ عبدالقادر دہلویؒ بیان صریح سے آراستہ

رتی کہ ابراہیم کا گھرانا ہمیشہ سے شام میں رہا اور بیت المقدس
اور کعبہ کو قبلہ کرتے ہو، تم کیوں کر ابراہیم کے وارث ہوئے؟
کے ہاتھ سے اول اول عبادت خانہ اللہ کے نام پر یہی بنا اور
اور خوارق ہمیشہ دیکھتے رہے ہیں، اصل مقام ابراہیم کا یہی
ضح القرآن، سورۂ آل عمران-۹۷، حاشیہ نمبر-۱)۔
رۂ بقرہ-۱۴۳ میں فقرہ ''امــۃ وسطاً'' کی تشریح میں مزید

ل کعبہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے مقرر ہوا ہے، ابراہیم
رنصاریٰ کا قبلہ پیچھے ثابت ہوا''۔
ں کے آخر میں پھر فرمائی:۔
ابراہیم کے وقت سے مقرر ہے اور چند روز بیت المقدس
...''
کے فارسی حاشیہ کی عبارت ہے'' ..... انچہ در سابق علم الٰہی مقرر شد
کعبہ باشد وتوجہ و بیت المقدس یک چند بنا بر حکمت امتحان است''۔

مناسک حج حج کی تاریخ تو قدیم ترین ہے اور بعض روایات میں اس کا سلسلۂ آغاز حضرت آدمؑ سے جوڑا گیا ہے لیکن عرب تاریخ و روایات میں حضرت ابراہیم کے زمانے سے حج کی تاریخ قطعی اور اس کی روایت جاری ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مختلف بیانات میں واضح طور سے اور تفسیری حواشی میں وضاحت یا مضمر طور سے اس کا ذکر ملتا ہے، صفا و مروہ کے طواف کے سلسلے میں ان کا حاشیہ مختصر ہے: ''بعض اہل اسلام صفا و مروہ را از شعائر طواغیت گمان کردہ از ان دست وباز داشتند، پس نازل شد ایں آیہ''۔ (سورۂ بقرہ-۱۵۸)

ان کے اردو شارح شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اس کی مزید صراحت اپنے حاشیہ میں اس طرح کی ہے: ''صفا و مروہ دو پہاڑ ہیں مکے کے شہر میں، عرب کے لوگ حضرت ابراہیم کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے ہیں لیکن کفر کے وقت میں اکثر غلطیاں پڑ گئیں تھیں، ان دو پہاڑوں پر بت دھرے تھے، حج میں وہاں بھی طواف کرتے تھے، جب لوگ مسلمان ہوئے، جانا کہ یہ بھی کفر کی غلطی تھی، اب وہاں نہ جانا چاہیے، اس پر یہ آیت اتری''۔

مناسک حج کی تاریخ، حکمت اور تفصیل پر نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ وہ سب کے سب ابراہیمی ہیں، دین حنفی اور ملت ابراہیمی اور شریعت اسماعیلی سے آئے ہیں، ان کا سرچشمہ وہی دین ہے جس کو حنیفیت کہا گیا ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے فرزند گرامی شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے دوسرے مناسک کے تعلق سے اس کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن یہ ایک طے شدہ امر اور مسلمہ حقیقت ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس ضمن میں ان دونوں کے حواشی میں دین حنفی کا حوالہ نہیں ملتا، ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں البتہ شاہ بزرگ نے ان تمام مناسک حج کے باب میں بھی اور دوسرے ابواب بالخصوص اہل جاہلیت کے دین پر مخصوص باب میں بھی دین حنفی اور احکام وسنن ابراہیمی و اسماعیلی کے حوالے سے ہی بحث کی ہے۔

خاتمہ بحث شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ''فتح الرحمن'' اور ان کے اردو شارح شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ''موضح القرآن'' کے حنیفیت سے متعلق حواشی کی حیثیت محض اشارات، ونکات کی ہے اور وہ بھی غیر مربوط تفسیری تعبیرات کے بطور، کیوں کہ وہ متعدد سورتوں کی مختلف آیات کریمہ کے ضمن میں لکھے گئے تھے، لہذا وہ ایک مربوط و مسلسل بحث کا درجہ نہیں رکھتے، ان کو مختلف عناوین

اس لیے بیان کیا گیا کہ ان میں ایک ارتباط و تسلسل قایم کیا جائے اور
بانِ علم و فن کے فکرِ قرآنی اور حکمتِ تفسیری کو اجاگر کیا جائے۔
حنیفیت ، دین حنفی اور ملت ابراہیمی ایک مربوط و مسلسل اور نادر و قیمتی
نب اس کو دین اسلام کے عین مرادف قرار دیتے ہیں اور اسی کو اصل
ہیں ، حنیفیت کی تعریف میں خواہ وہ چند احکام کا حوالہ دیں یا پورے
ں پیروی دین ابراہیمی ہی ہوتی ہے ، دراصل عرب اہل جاہلیت اور
ں نے اپنی تحریفات سے دین ابراہیمی اور ملت حنفی کا حلیہ بگاڑا تھا ،
ند عقاید و تصورات اور چند رسوم و عبادات باقی رہ گئی تھیں اور بقیہ مسخ یا

صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آفاقی اور ابدی رسول بنا کر بھیجا گیا تو لازمی ٹھہرا کہ اصل
دین اور اصل اسلام – دین حنفی اور حنیفیت – ہی تھی جس کا دوسرا مشہور
وابدی دین ہے اور وہی از آدمؑ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مظاہر میں
یساں رہے ، فروع اور شریعتوں میں بعض مقامی اور عصری تبدیلیاں
ں کا تسلسل جاری رہا اور دین و شریعت محمدی میں ان کی تکمیل کر دی گئی ،
اسی میں باقی ہے اور اسلام و حنیفیت دونوں توام حقیقتیں ہیں۔

تذکرہ مفسرین ہند حصہ اول

از- مولوی محمد عارف عمری

یں صدی ہجری کے آخر اور شاہ ولی اللہ صاحب سے قبل
فسرین کا تذکرہ اور ان کی تفسیروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔
قیمت : ۶۰ روپے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور
ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ

از- جناب محمد سجاد☆

"یہ مضمون اسلام آباد کے سہ ماہی رسالہ "فکر و نظر" کے خاص نمبر میں شائع ہو چکا ہے مگر پاکستانی رسائل ہندوستان میں کم لوگوں کی نظر سے گذرتے ہیں علاوہ ازیں یہ خاص معارف کے متعلق ہے ، اس لیے اس کی اشاعت مناسب معلوم ہوتی ہے مگر اس میں بعض باتیں ناواقفیت پر بھی مبنی ہیں جن میں بعض کی تصحیح کر دی گئی ہے لیکن اب بھی امکان ہے کہ بعض فروگذاشتیں رہ گئی ہوں"۔ (ض)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹ ر فروری ۱۹۰۸ء – ۱۷ ر دسمبر ۲۰۰۱ء) (۱۶ ر محرم ۱۳۲۶ھ – ۱۳ ر شوال ۱۴۲۲ھ) ان عظیم محققین اور عہد ساز افراد میں سے ہیں جن کی یاد مدتوں محو نہیں ہوتی ، علوم اسلامیہ کے تقریباً ہر موضوع بشمول قرآن حکیم ، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ، فقہ و قانون ، سیرت ، تاریخ اور دعوت و ارشاد میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی ، دنیا کی کئی زبانوں میں ان کا تحریری سرمایہ ، ملتِ اسلامیہ کی فکری آبیاری اور رہنمائی کے لیے ہمیشہ مددگار اور کارآمد ثابت ہوگا اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد ان کی فکر ، تعلیمات اور تحریرات سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک دینی و علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے ، جس نے برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لیے بالخصوص اور امت مسلمہ کے لیے بالعموم علوم اسلامیہ کے مختلف علوم و فنون میں کثیر تحریری سرمایہ چھوڑا ہے[1] اسی روایت کے امین اور اس کو آگے بڑھاتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دنیا کی معروف علمی زبانوں میں اسلام کی تعلیمات کو عام کیا اور اپنی سادہ زندگی ، عجز و انکسار ، تواضع و اخلاص اور اللہ کے دین کے لیے ہمہ وقت سپردگی کو زندگی کا شعار بنایا اور وہ عظیم کارنامے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبہ افکار و تمدن اسلامی ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ، اسلام آباد۔

ے فردتو کہاں کئی ادارے بھی سرانجام نہیں دے سکتے۔

ی زندگی کا مطالعہ کرنے کے لیے راقم نے ماہنامہ "معارف"

مو عثمانیہ کے مجلات مثلاً مجلّہ عثمانیہ، مجلّہ تحقیقات علمیہ، مجلّہ

عارف" ہی کو وہ اپنی علمی و تحقیقی نگارشات سے مستفید فرماتے

اتھ ان کا خصوصی تعلق تھا، "معارف" میں ڈاکٹر صاحب کے

ستشرقین عالم کی رودادیں اور مکتوبات شایع ہوئے اور ان کی

ظر سے گزرے، جس سے ڈاکٹر صاحب کی ذاتی زندگی، ان

نظر کے بارے میں قیمتی معلومات دستیاب ہوئیں، زیر نظر

ڑھ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے حوالے سے جو کچھ شایع ہوا اور

یا گیا ہے۔

ے۔

ر مدیرانِ "معارف" کے ساتھ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے باہمی

بند گوشوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

معارف" کی علوم اسلامیہ میں خدمات کے ضمن میں ڈاکٹر

میداللہ کی "معارف" میں شایع شدہ تحریروں کی تفصیلات

صنفین اور مدیرانِ "معارف" سے باہمی روابط

نیؒ (م ۱۹۱۴ء) کی تخلیق تھی، جس کا نقشہ مولانا ابوالکلام آزادؒ

نے ۱۹۱۴ء میں شایع کروایا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اس

ا پیمانہ عمر لبریز ہوگیا اور اس کی تعمیر کی حسرت لیے اس دنیا

ی تشکیل اور پرورش ان کے جانشین اور ممتاز شاگرد مولانا

قیادت ندوی فاضلین کی ایک منتخب جماعت کے ہاتھوں

ہوئی، ایک اطلاع کے مطابق علامہ مرحوم کی رحلت کے تین دن بعد ۲۱ رنومبر ۱۹۱۴ء کو ان کا خواب دارالمصنفین کی صورت میں شرمندۂ تعبیر ہوگیا، البتہ ادارہ کا رجسٹریشن ۴ رجون ۱۹۱۵ء کو ہو سکا[۲]۔

"معارف" کے اجرا کا خیال علامہ شبلی نعمانی کے ذہن میں اسی وقت پیدا ہوا تھا جب وہ علی گڑھ میں تھے، عابد رضا بیدار لکھتے ہیں:۔

"اس (دارالمصنفین کے خاکہ) سے بہت پہلے میر ولایت حسین کی ڈائری میں ایک حوالہ ملتا ہے کہ کالج میگزین بند ہوا تو شبلی نے مجھ سے کہا کہ دونوں مل کر "معارف" کے نام سے رسالہ نکالیں گے۔ شبلی اس وقت تو نہیں نکال سکے وحید الدین سلیم اور اسماعیل خان نے مل کر یہ نام اپنالیا، جو تھوڑا عرصہ چل کر بند ہوگیا"[۳]۔

پھر جب علامہ شبلی نے دارالمصنفین کا خاکہ تیار کیا تو اس میں ایک علمی رسالہ کا اجرا بھی شامل تھا، دارالمصنفین میں علامہ شبلی کی ایک یادداشت محفوظ ہے جس میں اس مجوزہ علمی رسالہ کا نام "معارف" لکھا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد کا ایک خاکہ مولانا شبلی نے خود تیار کیا تھا اس قلمی یادداشت میں لکھا ہے:۔

۱۔ نام: معارف ہوگا۔

۲۔ چیف اڈیٹر: مولانا شبلی۔

اسٹاف: مولوی سلیمان، مولوی عبدالماجد، مسٹر حفیظ، مولوی عبدالسلام

۳۔ تعداد صفحات: تقطیع و کاغذ ۲۰×۲۹، صفحات ۴۰، قیمت ۳ر (تین روپے)۔

تنوعات مضامین: فلسفہ، تاریخ قدیم و جدید، سائنس۔

ادبیات: شعر، اردو شاعری کی تاریخ اور اسالیب متنوعہ۔

اقتباسات: مجلات علمیہ، یورپ اور مصر و بیروت۔

فن تعلیم: کتب نادرہ کا ذکر اور ان کے اقتباسات یا ان پر اظہار رائے۔

تنقید: کتب یا علوم قدیمہ پر۔

مصر سے "المقتطف"، الہلال، المنار اور بیروت سے المقتبس منگوائے جائیں بہ قیمت، المقتطف کو خط لکھنا کہ ۱۵ر (۱۵ روپے)، جو بھیجے گئے تھے اس حساب میں

ے علمی پرچے منگوائے جائیں [۴]۔

ے ان کی زندگی میں تو یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا مگر

سلیمان ندوی نے اپنے استاذ کی وصیت کے مطابق ان

"دارالمصنفین" کے قیام کے ساتھ ہی اس علمی رسالے

یڑھ پونے دو سال کے بعد جب دارالمصنفین نے جون

ینہ خواب سید صاحب کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا [۵]۔

معارف" جولائی ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا جواب تک اپنی

سے لے کر جنوری ۱۹۵۱ء تک مولانا سید سلیمان ندوی

ے معاونین میں سید ریاست علی ندوی (م ۱۹۷۶ء) اور

ید نجیب اشرف ندوی، سید ابوظفر ندوی (م ۱۹۵۸ء)،

م د۔ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ)، ابوالجلال ندوی، ابوالحسنات

ایاں ہیں، یہ حضرات سید صاحب کی مدد کرتے، ادارتی

مستقل عنوانات، اخبار علمیہ، باب التقریظ والانتقاد،

لیے لوازمہ مہیا کرتے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی

مذہبی کے افسر اعلیٰ ہو کر ادھر چلے گئے مگر رسالہ کی نگرانی

یک سال (۱۹۴۷ء) کے لیے سید ریاست علی ندوی نے

بھی لکھتے رہے، ۱۹۴۹ء میں شاہ معین الدین احمد ندوی

پھر جب سید صاحب پاکستان آ گئے تو شاہ معین الدین

بہ طریقِ احسن انہوں نے انجام دی، ان کی رحلت پر

۱۹ء) نے اپنے پیش رو کی روایت قائم رکھی اور آج کل

ارتی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔

وقت ڈاکٹر محمد حمید اللہ زندگی کے تشکیلی دور میں تھے،

پرنسپل مولانا حمید الدین فراہیؒ تھے اور اس مدرسہ سے

انہوں نے مولوی کامل کی سند حاصل کی، پھر جامعہ نظامیہ سے درس نظامی کی سند بھی لی، دارالعلوم ہی سے ۱۹۲۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور یہ عثمانیہ سے میٹرک کا پہلا امتحان دینے والے فرزندانِ جامعہ میں سے ہیں، جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات سے ایم-اے اور شعبۂ قانون سے ایل-ایل-بی ۱۹۳۰ء میں مکمل کیا [۶]، اس طالب علمی کے دور میں بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ برصغیر پاک و ہند کے مشہور علمی، ادبی و تحقیقی رسایل و جراید سے نہ صرف متعارف تھے بلکہ ان علمی، ادبی اور تحقیقی رسایل میں ان کے مضامین شایع بھی ہوتے تھے [۷]، حیدر آباد دکن کے رسایل، رہبر، سیرت، سیاست، رسالہ نظامیہ اور جامعہ عثمانیہ کے معروف مجلات مثلاً مجموعہ تحقیقات علمیہ، مجلّہ طیلسانین اور مجلّہ عثمانیہ شامل ہیں ان میں بھی ان کی تحریریں شایع ہو رہی تھیں جب کہ وہ ابھی بی-اے کے طالب علم تھے، مؤخر الذکر رسالہ میں ان کے مضامین "اردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں"، "آٹھویں صدی ہجری میں مصر و شام کی ڈاک کا انتظام"، "نہر سویز کا پروجیکٹ حضرت عمرؓ کے زمانے میں" وغیرہ کے عنوانات سے شایع ہوئے، یہ عمدہ تحقیقی مضامین ان کی طالب علمی کی یادگار ہیں [۸] جب کہ "الکشافہ" [۹] کے تو وہ خود مدیر تھے، جس کا "معارف" میں نئے رسایل کے تحت تعارف کروایا گیا [۱۰] جب کہ وہ بہت پہلے سے "معارف" کے باقاعدہ قاری تھے اور اس سے استفادہ کرتے تھے [۱۱]۔

دوسری طرف برصغیر کی علمی، ادبی، تحقیقی و ملی مجالس و تحریکات میں بھی ان کو دلچسپی تھی، خصوصاً حیدر آباد دکن کی حد تک وہ ان میں شریک ہوتے تھے، حیدر آباد دکن کی ایک تحریک "عالم گیر تحریک قرآنی" کے ضمن میں خود فرماتے ہیں:-

> "حیدر آباد دکن میں مرحوم ابومحمد مصلح صاحب [۱۲] نے (جو غالباً بہار کے باشندے تھے اور "بچوں کی تفسیر" کے مؤلف، لاہور وغیرہ میں عرصہ تک قرآن مجید کی خدمت میں سرگرم رہ چکے تھے)، "عالم گیر تحریک قرآنی" کے نام کی ایک انجمن ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں قایم کی، اس کا مقصد دنیا کی ساری زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے شایع کرنا تھا، رفتہ رفتہ مجھے بھی اس سے واقفیت ہوئی اور موسّس کا ہاتھ بٹانے کی تھوڑی بہت مجھے بھی سعادت حاصل ہوئی" [۱۳]۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریریں اور مقالات شایع ہوئے تو اس
دہ برس ہو چکے تھے اور اس کی ۲۶ جلدیں شایع ہو چکی تھیں
ی جمود کو توڑا تھا اور خالص علمی و تحقیقی موضوعات پر سنجیدہ
ر کردی تھی، جن میں مولانا عبدالسلام ندوی کے علاوہ مولانا
یر ولی الدین، ظفر حسین خاں، مہدی افادی، سید نواب علی،
م پوری جب کہ خود مدیر معارف کے تربیت یافتہ افراد میں
دوی، ابوالجلال ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، ابوظفر
ے تھے۔

میں مطبوعات جدیدہ کے تحت محمد حمید اللہ کی ایک مرتب
ن'' پر تعارف وتبصرہ شایع ہوا، یہ کتاب ''بزم قانون''
ی[14]، معارف اگست ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا پہلا
نوان سے شایع ہوا[15] اور اس کے بعد قرآن، حدیث،
، ہیئت، مؤتمر مستشرقین عالم کی رودادیں اور مکتوبات
ں کی تحریریں مسلسل شایع ہوتی رہیں، آخری تحریر شاید وہ
اصلاحی صاحب کے نام ہے اور جو اکتوبر ۱۹۹۴ء کے

ید سلیمان ندویؒ کے ساتھ خصوصی تعلق

س-بی کرنے کے بعد محمد حمید اللہ کو جامعہ عثمانیہ میں ایک
ں اور آپ نے اس شعبہ میں ''قانون بین الممالک'' پر
کام کرنے والوں کو جامعہ وظایف بھی دیتی تھی، اس
رق وسطی اور یورپ جانے کا موقع ملا جہاں ۱۹۳۲ء میں
ی یونیورسٹی فرانس سے بالترتیب ڈی-فل اور ڈی-لٹ
کٹر محمد حمید اللہ صاحب واپس وطن تشریف لائے اور

جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں لکچرر اور شعبہ قانون میں ریڈرز کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے، یورپ میں قیام کے دوران اور مشرق وسطی کے تعلیمی دورے سے ان کی معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا، جدید کتب و رسایل سے متعارف ہوئے اور کئی زبانوں پر عبور حاصل ہوا اور ان میں لکھنے کی مہارت حاصل ہوئی، اسی زمانے میں حیدرآباد دکن کے رسالہ ''اسلامک کلچر'' میں ان کی تحقیقات منظر عام پر آنے لگیں۔

ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کا دوسرا اجلاس ۱۰ر۱۲ر اپریل ۱۹۳۶ء کو لاہور میں منعقد ہوا ''دارالمصنفین'' سے سید ریاست علی ندوی شریک ہوئے جب کہ جامعہ عثمانیہ سے دیگر اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی تشریف لائے، اسی اجلاس میں ان کی آپس میں ملاقات ہوئی، مئی ۱۹۳۶ء کے ''معارف'' میں سید ریاست علی ندوی نے ''ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور'' کے دوسرے سالانہ اجلاس کی روداد قلم بند کی تو اس میں لکھا:۔

> ''اس اجلاس کو اس لحاظ سے کامیاب کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اسلامی مشرقی علوم وفنون کے ہندوستانی خدام کا ایک قابل قدر اجتماع ہوا، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے ڈاکٹر مولانا محمد حمید اللہ، استاذ فقہ (جن کا مقالہ اس پرچہ میں شریک اشاعت ہے)، ڈاکٹر نظام الدین، صدر شعبۂ فارسی اور ڈاکٹر (افضل العلما) عبدالحق، صدر شعبۂ عربی نے اپنے مقالات ''ایران سے مسلمانوں کے قدیم تعلقات''، ''جدید ایران کے علمی رجحانات'' اور ''جدید مصر کے دو شاعر حافظ وشوقی پر'' سنائے''[18]۔

''معارف'' کے اسی شمارہ (مئی ۱۹۳۶ء) میں ''عربوں کی جہاز رانی پر استدراک'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' پر نقد کیا اور سید صاحب نے اس کو من وعن شایع کر دیا تھا اور اس کا عنوان ''عربوں کی جہاز رانی پر استدراک'' بھی خود سید صاحب کا تجویز کیا ہوا تھا، دو قسطوں میں یہ استدراک شایع ہوا اور اس کے بعد بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس موضوع پر اپنی معلومات سید صاحب تک پہنچاتے رہے، سید صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> ''جناب کی قیمتی تالیف ''عربوں کی جہاز رانی'' پر عرصہ ہوا میں نے کچھ نوٹے

تھے، جناب نے از راہ عزت افزائی (اپنی طرف سے
نوازانہ عنوان) معارف ۱۹۳۶ء، جلد نمبر ۳۷،
فرمایا'' [۱۹]۔

پر جب پہلی بار نقد شائع ہوا تو تمہید میں ڈاکٹر صاحب نے
پر تحریر اور اس قدر مواد کو قابل تحسین قرار دیا، لکھتے ہیں:۔

ہیں جو متخصصین (ماہرین فن) اور عوام دونوں کو یکساں
کتابوں میں سے ایک مولانا سید سلیمان ندوی کی تازہ
ہے، مضمون اتنا اچھوتا پھر بھی مواد اتنا زیادہ اس کی کم
کے وقت اس کی عام پسندی کا شاید اس سے بھی اندازہ
نے بہ اقساط پوری کتاب اپنے صفحوں میں نقل کر دی،
ہونے کی عزت رکھتا ہوں جو اس کتاب سے واقف
چھپ کر منظر عام پر آجائے، کئی سال کے انتظار کے
گزرا تو میں نے فوراً کتاب منگائی اور باوجود سخت اور
مصی کے اسے ختم کر کے ہی چھوڑی، پڑھتے وقت
کے لیے کچھ معلومات لکھے، اب اپنی باتوں کو یہاں کسی
تنقید نہیں ہے تنقید اسی وقت ہوتی ہے جب دل چسپ
میں ممکن ہے جب ناقد بھی اس کتاب کے موضوع کا
کے برابر ہی تنقید پر محنت صرف کرے، یہ تو چند بے ربط
تر پر پڑے ہوئے ایک بیمار کے کمزور دماغ اور کمزور تر
بیاض کی مدد سے اکٹھا کیے ہیں'' [۲۱]۔

اس کے رفقا اور خصوصاً سید سلیمان ندوی سے بڑی گہری عقیدت
خدمات کے بڑے قدر دان تھے، مولانا سید سلیمان ندوی کی
معارف سید صباح الدین عبدالرحمن نے ڈاکٹر صاحب کو خط

لکھا کہ کچھ عنایت فرمائیں، جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے سید صاحب کے حوالے سے ان کی خدمات، ان کے بارے میں فرانس میں جو تقریبات ہوئیں اور جن میں انہوں نے خود بھی کئی کئی گھنٹے سید صاحب کے اوصاف اور ان کی دینی خدمات سے لوگوں کو متعارف کرایا، اس کی مفصل روداد لکھ کر بھیجی [۲۲]۔

''مولانا سید سلیمان ندوی کی صد سالہ یادگار ولادت'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے ایک اور مضمون مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی کے رسالہ ''البیان'' پشاور میں شائع کروایا، جسے ''معارف'' نے دوبارہ شائع کیا، اس میں مزید معلومات ملتی ہیں، ڈاکٹر صاحب نے سید صاحب کی ہفتہ روزہ الہلال، الندوہ اور ماہنامہ معارف میں معروف اور اچھوتے عنوانات پر شائع شدہ مقالات کی فہرست بھی دی ہے اور سید صاحب سے اپنے ذاتی تعلق اور عقیدت کے گوشے بھی وا کیے ہیں، لکھتے ہیں:۔

> ''غلطی ہر کسی سے ہوسکتی ہے لیکن اس کا برملا اعتراف کرنے کے لیے بڑی اخلاقی بہادری کی ضرورت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی پیش آیا، انہوں نے (سید صاحب) جب اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' شائع کی تو میں نے فوراً خرید کر پڑھی اور اپنے ذاتی معلومات جو اس میں اضافہ طلب معلوم ہوئے مرتب کر کے محترم سید صاحب کو بھیجے، مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے ان کو بلاترمیم فوراً رسالہ ''معارف'' میں چھاپ دیا اور مجھے بہت محبت سے ایک خط لکھا کہ ''تم نے ہماری (ہمیں) داد نہ دی کہ بحر عرب میں ہم نے کاغذی کشتی چلادی''، میں بہت شرمندہ ہوا اور مزید لکھا کہ وہ مضمون اعتراض کے لیے نہ تھا بلکہ طالب علمانہ سوال کی حیثیت رکھتا تھا'' [۲۳]۔

الغرض ''عربوں کی جہاز رانی'' کا جب دوسرا اڈیشن شائع ہوا تو سید صاحب نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ''استدراک'' ضمیمہ کی صورت میں انہی کے نام کے ساتھ کتاب میں شامل کر دیا [۲۴]۔

''معارف'' نومبر ۱۹۴۱ء کے شمارہ میں ''عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ایک مقالہ شائع ہوا، جس میں عربوں کے ہاں زمانہ جاہلیت میں تعلیم اور پھر عہد نبوی ﷺ

یں، اس مقالہ میں بعض مقامات پر جہاں ڈاکٹر صاحب نے
مدیر معارف نے حدیث کی کتاب سے اس کی مکمل تخریج
ب نے ایک نوٹ لکھا جس میں لکھتے ہیں :-

للہ صاحب جو عالم بھی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانوں
ر پر عہد نبوی ﷺ کے مختلف نظامات کے معلومات
میں مسلسل ان عنوانات پر "اسلامک کلچر" میں مضامین
پنے اس سلسلہ کے چند مضامین کو حذف و اضافہ کے
کے ہمارے پاس بھیجا ہے، ان مضامین میں یہ بات
پی طرز خیال و ذہنیت کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں جو
بھی اپنی فرنگی طرز تخیل کی غمازی کر رہے ہیں" [۲۵]۔

آنی تصور مملکت" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا مضمون
ر صاحب کے ذوق کے مطابق تھا، چنانچہ مقالہ کے آغاز
کی ہے، لکھتے ہیں :-

معہ عثمانیہ میں قانون بین الممالک کے استاذ ہیں اور
ت اور دستور حکومت پر ان کی نگاہ ہے، اس مضمون
مملکت کو انہوں نے پیش کیا ہے، موجودہ زمانہ میں
م کو جدید طرز میں اس طرح پیش کرنا جو دوسری
ں توجہ ہو، ایک مفید خدمت ہے، یہ مضمون چوں کہ
قہ کو پیش نظر رکھ کر انگریزی میں لکھا گیا تھا اس لیے
وق کا لحاظ رکھا گیا تھا، جس کی کچھ جھلک اس اردو

محمد حمید اللہ کی سیرت طیبہ ﷺ پر تحقیقات، ان کی محنت و
مصنفین" کے ایک کارکن اور "معارف" کے پروف ریڈر

ابوعلی عبدالباری لکھتے ہیں :-

"سید سلیمان ندوی کا ان (ڈاکٹر محمد حمید اللہ) کو پورا اعتماد حاصل تھا، سید صاحب ان کے فضل و کمال کے بڑے قائل تھے اور ان کے مضامین بغیر کسی ترمیم و اصلاح و نظر ثانی کے بڑے فخر و انبساط کے ساتھ معارف میں شایع کرتے تھے، یہ خصوصیت مسعود عالم ندوی کے بعد (جنہوں نے سید صاحب کی فرمائش پر ان کی "لغات جدیدہ" کے دوسرے اڈیشن پر جو انہی کے اہتمام میں معارف پریس میں چھپا تھا، بڑا عالمانہ، فاضلانہ و محققانہ مقدمہ لکھا تھا) انہی کو حاصل تھی، ان کا جب کوئی مضمون معارف میں چھپنے کے لیے آتا تھا تو باغ باغ ہو جاتے تھے اور فوراً کتابت کے لیے کاتب کے حوالے کر دیتے تھے، ذرا بھی تاخیر کو راہ نہ دیتے تھے" [۲۷]۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے سلسلہ سیرت النبی ﷺ کی ایک جلد یورپین مصنفین اور مستشرقین کی سیرت طیبہ ﷺ پر اعتراضات کے جوابات اور ان کی غلط بیانیوں کی اصلاح کے لیے مخصوص کی تھی اور دفتر سیرت میں اس کے لیے ایک خاص شعبہ بھی قایم کیا، جس کا کام انہیں مستشرقین کی کتابوں سے وہ تمام مواد اکٹھا کرنا تھا، جن میں انہوں نے غلط بیانیوں سے کام لیا تھا، مولانا شبلی کے زمانے تک اس شعبہ میں جتنا کام ہوا تھا وہ مبیضہ کی شکل میں بہت دنوں تک موجود تھا چوں کہ ترتیب کے لحاظ سے اس کی اشاعت سب سے آخر میں رکھی گئی تھی، اس لیے طبع و اشاعت کی نوبت نہ آئی اور سید صاحب نے بھی چار مکمل جلدیں لکھیں، معاملات سے متعلق ساتویں جلد زیر تالیف تھی کہ ان کا وقتِ موعود بھی آپہنچا، اس کے جو چند متفرق مباحث و مضامین لکھے تھے ان کا مجموعہ سیرت جلد ہفتم کے نام سا شایع کر دیا گیا تاہم سیرت کی آخری جلد جو مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں لکھنے کا پروگرام تھا وہ ناتمام رہ گئی، اس کی تکمیل ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے قلم سے ہو سکتی تھی چنانچہ جناب ابوعلی عبدالباری رقم طراز ہیں :-

"سیرت" کی آخری جلد جو یورپ کے مستشرقین کی غلط بیانیوں کی اصلاح کے لیے مخصوص تھی، اس کے لیے ہماری نظر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پیرس پر پڑی تھی، جو یورپ کی قریب قریب تمام زبانوں سے واقف ہیں اور ان زبانوں میں وہ برابر

وہ ہندوستان کی بھی اکثر زبانوں سے واقف ہیں اوران زبانوں کو
خیال کا ذریعہ بناتے ہیں، ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے، سیرت،
سلام کی تاریخ ان کا خاص موضوع ہے''۔[28]

سیرت پر کتاب لکھنے کے لیے بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے فرمائش کی تھی،
:۔

بار وہ (سید صاحب) حیدرآباد دکن آئے اور جامعہ عثمانیہ میں ایک
شتقاق سے بڑی دل چسپی تھی، لکچر میں ضمناً ایک جگہ فرمایا کہ انگریزی
عربی لفظ ''جرۃ'' سے ماخوذ ہے، میں سامعین میں قریب ہی بیٹھا ہوا
تا! میری دانست میں تو وہ اردو لفظ ''گھڑا'' سے لیا گیا ہوگا، فوراً
سے گڑھا ہو، ان ہی دنوں میں ایک اور ملاقات کا موقع ملا اور میں
جواب کے بعد فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم سیرت النبی ﷺ پر
تائیں گے کہ کس نہج پر؟ میں نے کہا! کیا آپ کی سیرت النبی ﷺ
وئی جگہ باقی ہے؟ فرمایا وہ بہت بڑی ہے، میں نے کہا آپ نے
بھی لکھی ہے، فرمایا وہ بہت چھوٹی ہے، میں نے عرض کیا اور
ا موضوع ہے جو کسی ایک آدمی کے بس کی چیز نہیں،، اس پر وہ
ے لوگوں سے گفتگو شروع کردی، مجھے بعد میں بہت افسوس ہوا
اب سیرت النبی ﷺ کا خاکہ کیوں نہ معلوم کیا؟ لیکن یہ اب
مرضی''۔[29]

حب نے کسی خط میں یا ملاقات میں ''سیرت النبی ﷺ'' سے متعلق
جا تھا یا بتایا تھا اور اس پر لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی، حال ہی میں
م کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خط کی اشاعت سے اس کی وضاحت
ﷺ کے حوالے سے مستشرقین کے اعتراضات کی تردید اوران کی غلط
چنانچہ جب پروفیسر ظفر علی قریشی صاحب نے سیرت النبی ﷺ پر

مستشرقین کے اعتراضات اوران کی تردید پر کتاب لکھنے کا پروگرام بنایا اوراس کا خاکہ وعنوانات تجویز کیے تو مشورے کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اس کی نقل ارسال کی، ڈاکٹر صاحب نے حسب روایت فوراً جواب عنایت فرمایا اورایک مفصل خط (مورخہ ۶ رجون ۱۹۶۳ء) قریشی صاحب کو لکھا، جہاں یہ خط سید صاحب کی سیرت النبی ﷺ کے مجوزہ خاکہ کی نشاندہی کرتا ہے وہیں اس موضوع پر آیندہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ایک صحیح سمت کی نشاندہی بھی کرتا ہے، بلاشبہ اس طرز کے علمی کام کرنے والوں کے لیے ایک چشم کشا قرطاس ہدایت ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ ملا اور اچھے وقت پر ملا کیوں کہ تین ماہ کے سفر کے بعد ابھی ابھی واپس آیا ہوں، یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے عربی کا ام-اے کرلیا اور کچھ فرانسیسی، جرمن بھی سیکھ لی ہے، انشاء اللہ یہ آموزش آپ کو ہمیشہ مفید ہوگی، میں نے آپ کے خاکے پر نظر ڈالی اور سوائے ایک اصولی مسئلے کے کوئی خاص چیز قابل اصلاح نظر نہ آئی، سوال یہی ہے کہ آیا اس موضوع پر کچھ لکھا جائے ؟ پچیس ایک سال کا عرصہ ہوا ایک مرتبہ خیال پڑتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے حیدرآباد میں مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں خود اس موضوع پر کچھ لکھوں، میں نے عرض کیا کہ بعض اوقات اعتراض آسان ہوتا ہے اور جواب تشفی بخش نہیں دیا جاسکتا، بار ہا دیکھا گیا ہے کہ کسی سوال یا اعتراض کا کوئی شخص جواب دیتا ہے تو اس جواب سے ایک شخص کو تو اطمینان ہوجاتا ہے لیکن اسی جواب سے دوسرے شخص کو اطمینان نہیں ہوتا، یہود و نصاریٰ کے غرض مندانہ اعتراضات سیرت پاک ﷺ پر بہت ہیں اور قسم قسم کے اور ابھی ان کا سلسلہ ختم بھی نہیں ہوا ہے، اگر یہ اعتراضات ہماری پبلک کے علم میں لائے جائیں تو تشویش خاطر ناگزیر ہے کیوں کہ سارے جوابات یکساں تشفی بخش اور مسکت نہیں ہوں گے، اس عریضہ پر (سید صاحب) مرحوم نہ صرف خاموش ہوگئے بلکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ سیرت النبی ﷺ کی ایک جلد جو خاص اس موضوع پر (ابتدائی خاکہ کے مطابق) لکھی جانے والی تھی، اسے مولانا (نے) حذف فرمادیا''۔[30]

ید الرحمٰن مرحوم نے سلسلۂ اسلام و مستشرقین کے چھ حصے شایع
کر دیا ہے، ان حصوں میں استشراق سے متعلق علامہ شبلی و مولانا
بھی آگئی ہیں۔

رفقا سے ڈاکٹر صاحب کا بہت گہرا تعلق تھا، شروع ہی سے وہ اس
فرما، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی سے والہانہ
ڈاکٹر صاحب پہلی بار دارالمصنفین تشریف لائے تو اس کی تفصیلات
ہیں جو بڑی دلچسپ ہے، وہ کہتے ہیں:۔

کن سے پٹنہ وہاں کے کسی رئیس کا کتب خانہ جو پچاس برس
کھولا گیا تھا، دیکھنے کے لیے آئے تھے، وہاں سے واپسی پر
کہ یکایک ان کو دارالمصنفین دیکھنے کا خیال آگیا کہ اتنے
نہ دیکھا تو بڑی بدقسمتی ہوگی، وہیں سے رخ اعظم گڑھ کی
احاطہ میں پیدل داخل ہوئے، کتب خانہ پہنچ کر راقم الحروف
ڑے ہوئے اور دریافت فرمایا کہ مولانا سید سلیمان ندوی
دیا، تو فرمایا، مولانا سید ریاست علی ندوی ہیں، میں نے
واقف ہیں، فرمایا کہ ان سے میری ایک مرتبہ کی ملاقات
ہیں، میں نے ان کی ظاہری وضع و ہیئت دیکھ کر ان کو
لبا سیاہ کپاخ ٹوپی، گلے میں سفید کھدر کی شیروانی جس
کے بٹن کے بہت معمولی سیپ کے بٹن لگے تھے، ٹانگوں
ں میں کہنگی کی وجہ سے جابجا سوراخ ہوگئے تھے اور وہ
معمولی بوٹ جوتہ، میں ان کو ریاست علی صاحب کے
نے دیکھتے ہی ان کو پہچان لیا اور کتب خانہ کے دوسرے ہال
نے سیرت و متعلقات سیرت کی عربی کتابوں کی فہرست
لگے، میں دوڑا ہوا مولانا شاہ معین الدین صاحب کے

پاس گیا اور کہا کہ ایک صاحب اس وضع و ہیئت کے آئے ہیں اور سیرت کی عربی کتابوں کی فہرست کا مطالعہ کر رہے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ حیدرآباد کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں، انہوں نے کہا کہ کیا بک رہے ہو، اتنا بڑا آدمی بغیر اطلاع کے دارالمصنفین نہیں آسکتا ہے، تم کو مغالطہ ہو رہا ہے، وہ کوئی اور ہوں گے، شاہ صاحب اٹھ کر دروازہ کے اوٹ سے ان کو دیکھنے لگے لیکن ان کو کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ڈاکٹر حمید اللہ ہیں، میں نے کہا کہ وہ جس فن کی کتابوں کا جائزہ لے رہے ہیں اس سے تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ سوائے ڈاکٹر حمید اللہ کے کوئی کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، وہ ان سے ملنے کے لیے اسی ہال میں آگئے، مولانا ریاست علی صاحب نے ان سے ان کا تعارف کرایا تو انہوں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ شاہ گنج سے تار کے ذریعے اپنی تشریف آوری کی اطلاع دے دیتے تو ہم آپ کو لینے کے لیے اسٹیشن آتے، فرمایا استغفراللہ، استغفراللہ، استغفراللہ، میں کوئی بڑا آدمی تھا کہ آپ حضرات کو اسٹیشن تک آنے اور اپنا خیر مقدم کرنے کے لیے زحمت دیتا، میں تو ایک بہت ہی معمولی طالب علم ہوں، ان کے احترام واجلال میں جب بھی کوئی بات کی جاتی تو وہ تین مرتبہ استغفراللہ ضرور کہتے ......

پھر سیرت کے موضوع پر اپنی دلچسپی اور شغف کی داستان بیان کی، فرمایا کہ "جب میں چھوٹا تھا اور صاحب شعور نہیں ہوا تھا تو میری والدہ جو بڑی پرہیزگار، متقی، صالحہ اور عابدہ تھیں، آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کے قصے اور کہانیاں سنایا کرتی تھیں جو غیر شعوری طور پر دل نشین ہوتی گئیں، اسی وقت میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں جب پڑھ کر فارغ ہوں گا اور اللہ تعالیٰ نے صاحب قلم بنایا تو اسی کو اپنا موضوع بناؤں گا، اس موضوع سے میری والہانہ دلچسپی تمام تر ماں کی تربیت کا فیض ہے"[۱۳]

جنگ عظیم دوم کے دوران ۱۹۴۴ء میں دوبارہ ڈاکٹر صاحب علامہ سید سلیمان ندویؒ کی زیارت کے لیے "دارالمصنفین اعظم گڑھ" تشریف لائے، مولانا مجیب اللہ ندوی بھی دارالمصنفین کے رفقا میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

"۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ وہ حضرت سید سلیمان ندویؒ سے ملاقات کے

حضرت سید صاحب اپنے کمرہ میں مشغول تھے، وہ
ے پہلے جوتے باہر اتار دیتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ
نے کہا کہ جہاں سیرت نبوی ﷺ لکھی گئی وہاں میں

(باقی)

حواشی حوالہ جات

ضی محمد صبغۃ اللہ بدر الدولہ (متوفی ۲۵ محرم ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) کا
ے لے کر مسلسل دین اور علم کی خدمت کرتا ہوا چلا آ رہا ہے، تاریخ
تو اس طرح سترہ پشتوں تک اپنی علمی قدر و منزلت کو قایم رکھتے
ر ہا ہو، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، قاضی صبغۃ اللہ بدر الدولہ کے پوتے اور
ے تھے، تفصیل کے لیے دیکھیے (عمری، محمد یوسف کوکن عمری،
س ۱۹۶۳ء) ۔۲- سفیر اختر، ڈاکٹر، ''سید مودودی اور ماہنامہ
مارچ ۱۹۹۴ء، ص ۱۹ ۔۳- بیدار، عابد رضا، ماہنامہ ''معارف کا
اردو انسائیکلو پیڈیا) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۹۹۵ء،
ر محمد نعیم صدیقی ندوی، ''علامہ سید سلیمان ندوی، شخصیت و ادبی
۳۲ ۔۶- سہ ماہی مجلّہ عثمانیہ کراچی، اپریل تا جون ۱۹۹۷ء، ص ۲۴،
سید اللہ کے بارے میں ذاتی تاثرات) ۔۷- محمد صلاح الدین،
یر تکبیر جناب محمد صلاح الدین مرحوم نے اپنے دورہ فرانس کے
ن کی علمی خدمات پر ایک تفصیلی مضمون ''تکبیر'' کے مذکورہ شمارے
انٹرویو بھی لیا، ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے ان
ہفت روزہ ''نونہال'' لاہور میں ''مدراس کی سیر'' کے عنوان سے
الترتیب ۱۹۲۸ء، مارچ ۱۹۲۹ء اور مارچ ۱۹۳۱ء کے شماروں میں
وائرس ٹروپ کا ماہوار فنی رسالہ تھا اور بوئے اسکاؤٹ ہیڈ کوائرس
ر محمد حمید اللہ صاحب ایم-اے، ایل-ایل-بی جب کہ شرکائے

مدیر میں ضیاء الدین احمد، محمد فاروق اور غلام علی صاحبان کے نام درج ہیں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی انگریزی زبان میں کتاب ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' اپنے ایک اسکاؤٹ ماسٹر جناب علی موسیٰ رضا مہاجر کے نام معنون کی ہے جو کہ اسکاؤٹنگ کے ماہر تھے، چنانچہ ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' اردو طبع حیدر آباد دکن ۱۹۴۵ء، ص ۵۶ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: ''یہ ایک مختصر تذکرہ ہے جو عہد نبوی کے چند اہم میدان ہائے جنگ کے متعلق کچھ دیکھی اور کچھ پڑھی ہوئی چیزوں کی مدد سے مرتب کیا گیا، اس کی کوتاہیوں کے اقرار کے ساتھ یہ اعتراف بھی میرا فریضہ ہے کہ ۱۹۳۲ء/۱۳۵۰ھ میں سفر حجاز کے وقت ان میدانوں کو دیکھنے اور موقع موقع ملے تو ان کے نقشے اتارنے کا مشورہ مجھے اپنے محترم اسکاؤٹ ماسٹر مولوی علی موسیٰ رضا مہاجر صاحب سے ملا تھا، جن سے میں نے اپنی ''کشافانہ'' زندگی میں اور چیزوں کے ساتھ مساحت اور نقشہ کشی کے مبادی بھی سیکھے تھے'' ۔۱۰- ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، ج ۲۷ شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۱ء ص ۷۷، سید ریاست علی ندوی نے تبصرہ میں لکھا کہ: ''یہ حیدر آباد اور اسکاؤٹس ہیڈ کوارٹرس ٹروپ کا ماہوار فنی رسالہ ہے، اس کا موضوع بحث اسکاؤٹنگ ہے، جس کا حیدر آباد میں ''کشافہ'' ترجمہ کیا گیا ہے، رسالہ کی اہم خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ ''اس کے تمام مضامین معاوضہ دے کر حاصل کیے جاتے ہیں''، اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے......'' ۔ ۱۱- ''معارف'' ج ۱۰۰، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۶۷ء کے شمارہ میں ''موتمر مستشرقین عالم امریکہ میں'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''مجھے خیال پڑتا ہے کہ معارف نے سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۲ء میں موتمر مستشرقین عالم، ترجمہ از فرنچ شکیب ارسلان'' کے عنوان سے اس ادارے کی سرگرمیوں سے اپنے ناظرین کو روشناس کرایا تھا، یہ میری طالب علمی اور نوجوانی کا زمانہ تھا، اس کے بعد بار ہا اس موتمر کے اجلاسوں کی کارروائی پیش کی جاتی رہیں'' (ص ۳۲۵) ۔۱۲- مولوی ابو محمد مصلح کا اصل نام وزیر علی خان تھا، ۱۸۷۸ء کے لگ بھگ سہسرام ضلع آرہ، بہار میں پیدا ہوئے، وہیں مدرسہ خانقاہ کبریا میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، ۱۹۰۰ء میں دار العلوم دیوبند گئے اور کچھ عرصہ وہاں کے اساتذہ اور بالخصوص مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۹۳۳ء) سے استفادہ کیا، بعد ازاں قانون کی تعلیم حاصل کی، کئی کتابیں لکھیں، ''ترجمان القرآن'' جاری کیا، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب ''القرآن فی کل لسان'' بھی انہیں کے ادارے نے پہلی بار شایع کی، مولوی صاحب پر تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیے (ڈاکٹر سفیر اختر، بیاد سید مودودی، دار المعارف، لوہسر شرفو، واہ کینٹ، جون ۱۹۹۸ء، مقالہ ''مولوی ابو محمد مصلح، بانی عالم گیر تحریک قرآن'' (ص ۵۷ تا ۷۲) ۔۱۳- جامعہ عثمانیہ کے شعبہ قانون میں ایک خاص مجلس سلسلہ ''بزم قانون'' کے نام سے قایم ہوئی تھی،

تخب ہوئے تھے اور ۱۹۳۰ء میں اس کے نائب صدر اور ۱۹۳۰ء میں ہی
لیے دیکھیے مجلہ عثمانیہ کراچی، اپریل و جون ۱۹۹۷ء، شاہ بلیغ الدین
بارے میں ذاتی تاثرات) ص ۲۴۔ ۱۵- ''معارف'' ج ۲۸، شمارہ ۲،
ن ہے اس میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ترکی الفاظ و اعلام کے لیے
شاید یہ اولین کاوش ہے۔ ۱۶- ''معارف'' ج ۱۵۴، شمارہ ۴، اکتوبر
ترجمہ قرآن کا ذکر آیا تو مدیر معارف کو لکھا کہ ''سورہ المنافقون'' ۶۳/۴
مہ کیا ہوا، اس کے بارے میں بتائیں۔ ۱۷- ادارہ معارف اسلامیہ،
کے لیے دیکھیے (اختر راہی، اقبالؔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں)، بزم
۱۸- ''معارف'' ج ۳۷، شمارہ ۵، مئی ۱۹۳۶ء، ص ۳۲۲۔ ۱۹- ''معارف''
۔ ''بمبئی کی اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن'' کی دعوت پر سید صاحب نے
تھے، ''دارالمصنفین'' نے ۱۹۳۵ء میں اس کا پہلا اڈیشن شایع کیا جب کہ
شایع کروایا۔ ۲۱- معارف ج ۳۷، شمارہ ۵، مئی ۱۹۳۶ء، ص ۳۲۵-۳۲۶۔
۱، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۸۵ء، ص ۲۳۱-۲۳۵۔ ۲۳- تفصیل کے لیے پورا
عارف ج ۱۳۵، شمارہ ۵، مئی ۱۹۸۵ء، ص ۳۸۱ تا ۳۸۸)۔ ۲۴- تفصیل
ی جہاز رانی'' اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۲ تا ۱۹۲)۔
ص ۳۳۶۔ ۲۶- ایضاً شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۳۱ء، ص ۴۰۵۔ ۲۷- تفصیل کے
حمید اللہ صاحب دارالمصنفین میں'' ماہنامہ ''الرشاد'' ج ۳، شمارہ ۲۸، مئی
- معارف ج ۱۳۵، شمارہ ۵، مئی ۱۹۸۵ء، ص ۳۸۸۔ ۳۰- مجلہ اور ینٹل
)، ج ۷۸، عدد ۳ و ۴ (مسلسل عدد ۲۸۹ و ۲۹۰)، ۲۰۰۳ء، ص ۸۰-۲۸،
ظفر علی قریشی نے بھی بعد ازاں اس موضوع پر کتاب لکھی جو مکتبہ معارف
"Prophet Muhammad and His West کے عنوان سے
الرشاد'' ج ۳، شمارہ ۲۸، مئی ۱۹۸۳ء، ص ۵۱، ۵۲۔ ۳۲- ایضاً ج ۳۵،

☆☆☆

مفتی درویش حسن

از:- ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب☆

غالب کے خطوط بنام قاضی عبدالجمیل جنوںؔ بریلوی میں جن افراد کا حوالہ ملتا ہے ان کا تعارف میں نے ایک مضمون میں پیش کیا تھا جو ''خطوط غالب بنام قاضی عبدالجمیل جنوںؔ بریلوی'' کے عنوان سے رام پور رضا لائبریری جرنل رام پور نمبر ۸-۹، ۲۰۰۲ء میں شایع ہو چکا ہے، غالب نے ان خطوط میں جن افراد کا ذکر کیا ان میں ایک مفتی درویش حسن تھے، جن کے متعلق غالب نے اپنے خط مورخہ ۱۹؍اپریل ۱۸۵۹ء میں تحریر کیا:-

''اس زمین میں جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے میں نے کبھی غزل نہیں لکھی، خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر سن کر میرا کلام گمان کیا ہے، ہر چند میں نے خیال کیا اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں'' (غالب کے خطوط، ج ۴، ص ۱۳۹۴)۔

میں نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں بعض امور پر قیاس کرنے کے بعد مفتی درویش حسن کے متعلق تحریر کیا:-

''مولوی درویش حسن کی کسی تالیف یا شاعری کا سراغ نہیں ملا، وہ ایک غیر معروف انسان تھے، البتہ بریلی کے باشندہ تھے اور قاضی عبدالجمیل جنوںؔ بریلوی کے ہم جلیس، یہ ہم جلیسی بوجہ رشتہ داری بھی ہو سکتی ہے'' (رام پور، رضا لائبریری جرنل رام پور، ۸-۹، ص ۱۳۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھ سے سہو ہوا، مجھے قیاس کرنے کی ضرورت نہیں تھی، میں نے مفتی صاحب[1] حسن شیوا عثمانی بریلوی ثم کراچی (م ۱۹۷۵ء) کے مکاتیب مورخہ ۵؍مئی ۱۹۶۶ء اور ۲۲؍فروری ۱۹۶۷ء

☆ ۴۳- پھول والان، بریلی۔

''بریلی کے خاندان مفتیان کی شاعری کا مختصر جایزہ'' میں مفتی
ع دی تھی:-

سن کے دولڑکے معروف ہوئے ، مفتی درویش حسن خاں اور
تخلص بہ احسنؔ'' (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، اگست ۱۹۶۷ء)۔

ن غالب کے شاگرد مفتی سلطان حسن خاں احسنؔ (م ۱۸۸۲ء)
ا بہ وجہ قرابت قاضی عبد الجمیل جنوںؔ بریلوی کے یہاں نشست و

ا ہی سہو ڈاکٹر محمد ایوب[۲] قادری مرحوم کو ہوا، انہوں نے اپنی تالیف
لوی درویش حسن کو صرف بریلوی تحریر کیا (ص ۲۱۹) حالاں کہ
ی اشاعت (کراچی ۱۹۸۲ء) سے قبل اپنی کتاب ''جنگ آزادی
بوعہ کراچی جون ۱۹۷۶ء میں مفتی درویش حسن کے دو اردو خطوط
ب شایع کیے تھے (ص ۵۲۴ تا ۵۲۸) اور مضمون کی تمہید اور حواشی
ں کر دی تھی، انہوں نے تحریر کیا:-

یش حسن ابن مولوی احمد حسن صدر الصدور ابن مفتی ابوالحسن
ریلی میں سے تھے، مرزا غالب سے بھی تعلقات تھے، مرزا
لوی درویش حسن کا ذکر کیا ہے، انہوں نے یہ خط اپنے پھوپھا
م لکھے ہیں'' (ص ۵۲۴)۔

دری نے مفتی درویش حسن کے رشتے کی وضاحت کی اور مزید یہ
عمایدِ بریلی میں سے تھے، اگر وہ ان حقایق کا اظہار بعد کی تصنیف
تے تو مفتی درویش حسن کے متعلق ضروری معلومات فراہم ہو جاتیں،
ں کی کتاب ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء واقعات و شخصیات'' دو ڈھائی
ں کی وجہ سے میں اس سے بروقت استفادہ نہیں کر سکا۔
نے کے بعد کہ مفتی درویش حسن مفتی احمد حسن صدر الصدور کے

پسر اور مفتی سلطان حسن خاں احسنؔ تلمیذِ غالب کے چھوٹے بھائی تھے، ان کے حالات کی تفتیش آسان ہو جاتی ہے۔

بریلی کے مفتیان و قاضیان اصلاً بدایونی تھے، بدایوں کی سکونت ترک کر کے بریلی میں آباد ہو گئے تھے، ان کے مکانات محلہ ذخیرہ، پل قاضی، گلی مفتیان بڑا بازار اور فراشی ٹولہ میں تھے، ان کے جد مفتی درویش محمد (م ۱۷۶۹ء) روہیلوں کے عہد حکومت میں مفتی شرع تھے اور ان کا سلسلۂ نسب قاضی دانیالؒ قطری سے ملتا تھا جو سلطان التمش (م ۱۲۳۶ء) کے عہد حکومت میں بدایوں کے قاضی القضاۃ تھے (اکمل التاریخ، ج ۱، ص ۲۱)، مفتی درویش محمد کے سات فرزند تھے، ان کے ایک فرزند مولانا عبد الغنی کی اولاد میں مفتی درویش حسن تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے: مفتی درویش حسن بن مولوی احمد حسن بن مفتی ابوالحسن بن مولانا ابوالعالی بن مولانا عبد الغنی بن مفتی درویش محمد (اکمل التاریخ، ج ۱، ص ۳۰)، مطالعہ غالب کے ضمن میں مفتی درویش حسن کے بڑے بھائی مفتی سلطان حسن خاں احسنؔ اور عم محترم مولوی محمد حسن خاں امیرؔ صدر الصدور مراد آباد کے اسماء ملتے ہیں۔

مفتی درویش محمد کے دوسرے فرزند کا نام مفتی محمد امجد تھا، جنہوں نے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، ان کے اعقاب میں خان بہادر قاضی عبد الجمیل جنوںؔ بریلوی تلمیذ غالب تھے، ان کا شجرۂ خاندان اس طور پر ہے: قاضی عبد الجمیل بن قاضی عبد الجلیل بن حافظ غلام احمد بن حاجی غلام نبی بن مفتی محمد امجد بن درویش محمد (اکمل التاریخ، ج ۱، ص ۳۰)۔

مفتی درویش محمد کے ساتویں فرزند مفتی محمد عوض تھے، جنہوں نے ۱۸۱۶ء میں ہاؤس ٹیکس کے نفاذ پر علم جہاد بلند کیا تھا، ان کا مکان پل قاضی پر تھا، ان کے دو نواسے نواب صدیق حسن خاں اور مولوی احمد حسن عرشیؔ تلمیذ غالب مشہور ہوئے۔

مذکورہ بالا خاندانی شجروں کی روشنی میں مفتیان اور قاضیان دونوں ہی یک جدی تھے، مفتی درویش حسن اور قاضی عبد الجمیل جنوںؔ دونوں ہی مفتی درویش محمد کی اولاد میں تھے، یہ نسبت اپنی جگہ بہت قوی تھی، دونوں ذی علم، ہم عصر اور عمایدِ شہر میں تھے، لہٰذا دونوں کے مابین قرابت اور قربت کی توثیق ہو جاتی ہے۔

ضی عبدالجمیل جنوں کے درمیان ہم نسبی کے تعلق کے علاوہ
ملتے ہیں، مثلاً:-
ں احسن صدر الصدور تلمیذ غالب کی بیٹی کی شادی قاضی عبد
زند قاضی محمد خلیل[4] حیراں (م ۱۹۳۹ء) کے ساتھ ہوئی تھا، اس
یلوی مفتی درویش حسن کی بھتیجی کے خسر تھے۔
ں بریلوی کی شاگرد غالب کے شاگرد مفتی سید[5] احمد سید (م ۱۸۵۹ء)
ئینہ ولدار، ص ۱۷۸) مولوی ابرار علی صدیقی مصنف ''آئینہ دلدار''
ں (م ۱۸۹۴ء) تھے جن کی مفتی سید احمد سید سے قریبی رشتے داری
علاوہ مولوی دل دار علی مذاق بدایونی کے ماموں مولوی دولت
مفتی درویش حسن کی پھوپھی حیات فاطمہ کے ساتھ ہوئی تھی
ہر چند قرابت کی نوعیت مبہم ہے، معلوم یہی ہوتا ہے کہ مفتی
ریلوی سے قرابتِ قریبہ تھی۔
قاضیان و مفتیان بریلی کے غالب سے تعلق پر غور کیا جائے تو اس
سن عرشی (م ۱۸۶۰ء)، مفتی سلطان حسن خاں احسن (م ۱۸۸۲ء)
ء) غالب کے سلسلۂ تلمذ میں منسلک تھے، بدایوں میں بھی
س خاندان کے جو افراد غالب کے شاگرد نہیں تھے وہ غالب
ں کا قاضی عبدالجمیل جنوں بریلوی سے غالب پسندی کی بنیاد
ں کے مابین غالب کے اشعار و افکار پر گفتگو کا ہونا اور ضرورتاً
ا۔
تالیف کا علم نہیں ہوا، ان کو شعر گوئی کا بھی شوق نہیں تھا، انہوں
م ہوتا ہے کہ وہ محض سخن فہم تھے اور ادبی گفتگو میں دل چسپی
''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء'' میں ان کے تین خطوط نقل کیے جن
ن خطوط میں ادبی چاشنی نہیں ہے، سادہ روزمرہ کی زبان میں

بے تکلف اور بلا تصنع خطوط ہیں، البتہ ان خطوط سے ۱۸۵۷ء کے پرآشوب حالات پر روشنی پڑتی ہے، مکتوب نگار واقعات کا خود شاہد تھا اور جائے پناہ کی تلاش میں در بدر مارا مارا پھر رہا تھا، تاریخ روہیل کھنڈ کے مؤلف عبدالعزیز خاں عاصی بریلوی نے تحریر کیا ہے:-

''۱۶ر جنوری ۱۸۵۸ء کو قاضی غلام[6] حمزہ اور ان کے رشتے داروں کے مکانات لوگوں نے لوٹ لیے'' (ص ۲۱۳)۔

پچاس ساٹھ سال قبل شہر بریلی کے عمر رسیدہ بزرگ بیان کرتے تھے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں پی قاضی بریلی پر واقع قاضیوں کے مکان کو لوگوں نے ان کی انگریز دوستی کی وجہ سے لوٹ کر آگ لگادی تھی، اس مکان میں خان بہادر عبدالجمیل جنوں، ان کے والد عبدالجلیل[7] صدر امین سہارن پور (م ۱۸۷۰ء) اور ان کے دیگر رشتے دار جو مفتی مولوی محمد امجد کے فرزند قاضی شہر بریلی قاضی غلام نبی صاحب (م ۱۸۱۲ء) کی اولاد میں تھے، رہتے تھے، اصل واقعہ کا علم مفتی درویش حسن کے خط سے ہوتا ہے جو مؤلف تاریخ روہیل کھنڈ کی تحریر کردہ تاریخ کی روشنی میں ۱۱ر یا ۱۲ر جنوری کا ہونا چاہیے۔

''اور عرصہ چار پانچ روز ہوا قاضی عبدالجلیل صاحب اور برادرم قاضی ظہور[8] احمد کو بہ جرم اخفا انگریزوں کے اپنے مکان میں کہ صرف حیلۂ غارت گری و تہمت تھی گرفتار کر کے بے عزت کیا لیکن بے سبب قصور کے چھوڑ تو دیا ہے لیکن آدمی واسطے پہرے کے مقرر کر دیے ہیں اور مولوی غلام حمزہ صاحب وقت پر کہیں کو بھاگ گئے اور مولوی فضیل[9] احمد اور عبدالجمیل اور والدہ ان کی بریلی میں نہ تھے، بدایوں میں تھے'' (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۵۲۶)۔

اس تحریر سے غارت گری کی تصدیق ہوتی ہے، آتش زنی کی بات غلط معلوم ہوتی ہے، اہل خانہ کی گرفتاری، بے عزتی اور پہرہ داروں کے مقرر ہونے کی اطلاع اس خط سے ہی ملتی ہے، شہر کے لوگوں کی طرف سے ایسی بدسلوکی اس خاندان کی حکومت وقت سے وفاداری اور اس کے صلے میں خطابات اسناد کارکردگی اور معافیات و عطیات کی نوازشات ہو سکتی ہیں جن کی تفصیل گلدستۂ کمال دہلی بابت ماہ جنوری ۱۹۱۲ء میں دیکھی جا سکتی ہیں (ص ۵ تا ۱۴)، معلوم یہی ہوتا ہے

ی کے شدت سے مخالف تھے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ

اس خط میں برائے تکریم اسماء کے ساتھ قاضی برادرم اور مولوی
بہادر قاضی عبدالجمیل جنوںؔ کے لیے صرف عبدالجمیل لکھا جس
ں ان سے عمر میں چھوٹے تھے، لہذا مفتی درویش حسن کی قاضی
بزرگ کی حیثیت سے تھی۔

طوط سے ۱۸۵۷ء کے حالات اور ان کی پریشانی کا علم ہوتا ہے،

س نواح میں بڑا تلاطم و شورش ہے یعنی بریلی میں خان
یہ وصہ کو لوٹتا ہے اور بے عزت کرتا ہے اور بریلی سے کسی
ہے کہ جو شخص خروج کا بریلی سے قصد کرے لوٹ لو اور
تمام عمل داری اپنی میں مثل بدایوں اور شاہ جہاں پور اور
۔...... خداوند کریم جلد فضل فرمائے، یہ ظلم بدذات جلد
اور حاکم[۱] عادل مسلط ہو" (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص

تحریر کیا:-

م مصیبت میں ہیں اور جان بچاتے شہر بہ شہر اور در بدر
کچھ کر جی یہی چاہتا ہے کہ جو جائے محفوظ میں رہ کر بچے
ر یہ خیال آتا ہے کہ امید کوئی صورت اپنے بچاؤ اور
آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۵۲۷)۔

حریر کیا:-

وں اعزہ و احباب بندہ و تمامی ملازمان خیریت جسمانی
و عم و دیگر مردمان خانہ مادر موضع بچھڑ[۱۱] یا بودہ کہ در

بدایوں شورش است" (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۵۲۸)۔

ان خطوط سے یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ خان بہادر خاں نے شہر بریلی میں لوگوں کو بیرون شہر جانے پر پابندی لگا دی تھی، اس زمانے کے تاریخی ریکارڈ میں یہ اطلاع نہیں ملتی، مفتی درویش حسن شہر کے باہر نکل آئے تھے جس سے ان کی حیثیت ایک مفرور کی ہوگئی تھی، اسی وجہ سے ان کو جائے محفوظ کی تلاش میں در بدر پھرنا پڑا، علاوہ ازیں اس موقع پر یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ اس پریشانی کے وقت مفتی درویش حسن کے ساتھ قاضیان بِل قاضی کے افراد بھی تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مفتی درویش حسن اور قاضی عبدالجمیل جنوںؔ کے مابین نہایت قریبی اور اعتماد کا تعلق تھا۔

۱۸۵۷ء کے پرآشوب حالات میں عوام جھڑ کے ہوئے تھے، نظم و نسق کمزور پڑ گیا تھا اور لوگ من مانی کر رہے تھے، روہیل کھنڈ میں تحریک آزادی کے قاید اور شاہ ظفر کے نامزد ناظم کیٹھر نواب خان بہادر خاں کو کلیۃً مورد الزام ٹھہرانا نامناسب ہوگا، نواب خان بہادر خاں نے ہزار پریشانیوں کے باوجود دس ماہ سے کچھ زیادہ انقلابی حکومت کو چلایا اور سقوط بریلی کے بعد بھی انہوں نے شاہ جہاں پور، محمدی وغیرہ میں انگریزوں کے خلاف لڑائی جاری رکھی اور بالآخر ۷۲ برس کی عمر میں ۲۴ر مارچ ۱۸۶۰ء کو پھانسی کی سزا پانے کے بعد سرافراز ہوئے، ڈسٹرکٹ جیل بریلی میں ان کی قبر مرجع خلایق ہے۔

مفتی درویش حسن اور ان جیسے زمین دار طبقے کے لوگ اور سرکار کمپنی کے اعلی عہدے دار اس وقت بلاشبہہ بہت پریشان تھے کیوں کہ انگریزوں کے ساتھ وہ بھی انقلابیوں کی زد پر تھے، لہذا ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے صحیح رائے دی کہ "مولوی درویش حسن نے اپنے انداز میں تبصرہ کیا ہے" ((جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۵۲۵)، انگریزوں کی فتح کے بعد قاضی عبدالجمیل جنوںؔ پر بھی انگریزوں نے نوازش کی جس کی تفصیل گلدستۂ کمال دہلی بابت جنوری ۱۹۱۲ء (ص ۹ و ۱۰) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مفتی درویش حسن کی سال پیدایش اور وفات کا کسی ذریعہ سے علم نہیں ہو سکا، ان کی تعلیم کے متعلق بھی کوئی تفصیل نہیں ملی، غالب نے ان کو مولوی درویش حسن لکھا جس سے معلوم

فنون حاصل کیے تھے، ان کی ملازمت کا بھی علم نہیں ہوا، حالانکہ
ارزاں تھے، ان کی کوئی تالیف بھی نظر نہیں آئی، مختصراً یہی کہا
ان کی اپنی کوئی پہچان نہیں تھی، وہ خاندانِ مفتیان کے عمائد میں
جنوںؔ بریلوی کے ایک بزرگ ہم نشین تھے، غالب کے حوالے

حواشی

ن مفتی عماد الحسن محوؔ بریلوی ابن مفتی سلطان حسن خاں احسنؔ بریلوی تلمیذ
ل قلعہ بریلی (حالیہ تلک انٹر کالج بریلی) میں فارسی و اردو کے مدرس تھے،
شہر کے اساتذہ میں شمار ہوتا تھا، صاحبِ دیوان تھے، کلام شایع نہیں ہوا،
۱۹۷ء کو کراچی میں فوت ہوئے۔ ۲- قصبہ آنولہ ضلع بریلی میں پیدا ہوئے،
نہوں نے روہیل کھنڈ کی تاریخ اور روہیل کھنڈ کی علمی و ادبی اہمیت پر بڑے
تالیفات کے علاوہ بعض اہم کتب کے تراجم بھی شایع کرائے، انہوں نے
ں، پاکستان میں ان کی علمی و ادبی نشو و نما کے زمانے میں سید الطاف علی
ٹر معین الحق مراد آبادی مدیر جرنل و ڈائرکٹر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی
ردو کا امتحان پاس کرنے کے بعد اردو کالج کراچی میں لکچراری کی جگہ مل گئی
تھے، ۲۵ر نومبر ۱۹۸۳ء کو ایک سڑک حادثے میں کراچی میں فوت ہوئے،
ادبی کتابیں شایع کرائیں اور معلوم نہیں کتنا کام ادھورا چھوڑا۔ ۳- مولوی
ی (م ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء) بدایوں کے محلہ سید باڑا کی سادات کے فرد تھے،
الم اور سلسلۂ رزاقیہ قادریہ کے مرید و خلیفہ تھے، مولوی دولت علی کا سلسلہ
نی (م ۱۸۴۶ء) کے مرید تھے، بہ سلسلۂ ملازمت گوالیار میں رہے، متقاعد
ہ بریلی میں مکان تھا، ۹ر شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۴ر فروری ۱۸۹۴ء کو فوت ہوئے
ئے، (آئینۂ دل دار، ص ۱۰، ۲۰، ۳۰، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۵۲۴)۔
ن" ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۸۷ء۔

۵- رک مضمون "تلمیذ غالب مفتی سید احمد خاں سید" ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، ششماہی غالب نامہ دہلی، جنوری ۲۰۰۰ء۔
۶- قاضی غلام حمزہ بن حافظ غلام احمد بن حاجی غلام نبی بن مفتی محمد امجد بن مفتی درویش محمد (اکمل التاریخ، ج ۱، ص ۳۰)، قاضی شہر تھے، ۱۸۴۲ء کے دربار میں اپنے برادر کلاں قاضی عبد الجلیل کے ساتھ شرکت کی، ان کو گورنمنٹ نے خیر خواہی و وفاداری کے عوض میں حسن خدمت کی سند عطا کی تھی، (گلدستہ کمال دہلی، جنوری ۱۹۱۲ء، ص ۷)، تاریخ وفات کا علم نہیں ہوا۔ ۷- برادر کلاں قاضی غلام حمزہ، صدر امین اور منصف سہارن پور، معاملہ فہم اور قانون داں، قاضی شہر بریلی، گورنمنٹ کے وفادار و خیر خواہ، انگریزوں نے ۲۶۰ روپے ۱۰ آنے زرِ پنشن موروثی مقرر کی تھی، خان بہادر قاضی عبد الجمیل جنوںؔ بریلوی تلمیذ غالب ان کے ہی فرزند تھے، ۱۰ر رمضان ۱۲۸۷ھ/ ۵ر دسمبر ۱۸۷۰ء کو فوت ہوئے۔ ۸- قاضی ظہور احمد بن قاضی غلام رسالت بن غلام حضرت عشقیؔ بن حاجی غلام نبی بن مفتی محمد امجد بن مفتی درویش محمد (اکمل التاریخ، ج ۲، ص ۳۰)، مزید حالات کا علم نہیں ہوا۔ ۹- قاضی فضیل احمد قاضی ظہور احمد کے بھائی تھے، مزید حالات کا علم نہیں ہوا۔ ۱۰- مراد انگریزوں کی حکومت۔ ۱۱- یہ موضع ضلع بریلی میں ہے۔

کتابیات

۱- ایوب قادری، پروفیسر، ڈاکٹر، محمد، غالب اور عصر غالب، کراچی ۱۹۸۲ء۔
۲- ایضاً، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، واقعات و شخصیات، کراچی ۱۹۷۶ء۔
۳- ابرار علی، محمد، صدیقی، بدایونی، آئینۂ دلدار، کراچی ۱۹۵۶ء۔
۴- خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، ج ۴، دہلی ۱۹۸۷ء۔
۵- رونقؔ دہلوی، منشی پیارے لال، گلدستۂ کمال دہلی، جنوری ۱۹۱۲ء۔
۶- ضیاء قادری، مولوی محمد یعقوب بدایونی، اکمل التاریخ، حصہ اول، بدایوں ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء۔
۷- عاصیؔ بریلوی، عبد العزیز خاں، تاریخ روہیل کھنڈ، کراچی ۱۹۹۳ء۔
۸- وقار الحسن صدیقی، ڈاکٹر، رام پور رضا لائبریری جرنل، رام پور، نمبر ۸-۹، ۲۰۰۲ء۔
۹- ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، اگست ۱۹۶۷ء۔
۱۰- ششماہی غالب نامہ، دہلی، جنوری ۲۰۰۰ء۔

☆☆☆

...خوش نویسی یا فنِ خطاطی

...ز:- پروفیسر عبدالاحد رفیق☆

...ف فن ہے اور فنونِ لطیفہ میں شامل ہے، دیگر فنونِ لطیفہ کی طرح
...ر فن خطاطی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، عہدِ وسطیٰ میں یہ فن
...سلم دور حکومت میں ہندوستان کے اندر عروج پذیر رہا ہے،
...ے میں داخل کر دیا ہے، بلکہ اس کی تعلیم ڈرائنگ، مصوری.
...سون خاص ان طلبا کو دی جاتی ہے جو اس کے اہل ہوں اور اس
...اب بدلتے ہوئے حالات میں ہندوستان میں تیزی سے یہ
...و فن نے اس کو ایک مخصوص دائرے تک ہی محدود رکھا، وقت
...بھی کم ہونے لگے، یہاں تک کہ اس فن کو بالائے طاق رکھ کر
...ے اور اسی کو پیشے کے طور پر اپنا لیا گیا۔
...د چھاپے کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، اس کو بہت بڑا فن سمجھتے تھے
...ے تھے، اس زمانے میں خوش نویسی سیکھنا ہر صاحب کمال کے
...ب و شائستگی کا جز لاینفک خیال کی جاتی تھی، چنانچہ امیر اور
...رادے بھی خوش نویسی سیکھتے تھے اور اس کی مشق جاری رکھتے
...گیر اور عالم گیر اعلیٰ پایہ کے خوش نویس ہوئے ہیں، ان کے
...ت قدر کی جاتی تھی اور آج بھی ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا
...معمولی اور غیر ضروری سمجھا جاتا ہے، اسکولوں میں اس کی تعلیم
...جاری ہے، خطاطی اردو رسم الخط اور خوش نویسی کا اعلیٰ نمونہ ہے

جو ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے، اس بات سے سبھی محبان اردو متفق ہیں کہ اردو زبان صرف اپنے رسم الخط کی وجہ سے ہی اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئی ہے۔

اردو ادب اور اس کے درسی اسباق میں فن خطاطی سے متعلق مختلف خطوط کے نام کبھی تشبیہ، کبھی استعارے تو کبھی صرف تذکرے کی صورت میں آتے ہیں، مثلاً

عطارد کو آنے لگی اس کی ریس ہوا سادہ لوحی میں وہ خوش نویس
ہوا جب کہ نو خط شریں رقم پڑھا کر لکھے سات کے نو قلم
ہاتھ میں جب خامہ مشک بار لکھا نسخ و ریحان و خط غبار
عروس الخطوط اور ثلث و رقاع خفی اور جلی مثل خط شعاع

ان خطوط کے بارے میں عام طور سے اساتذہ طلبا کو پوری معلومات فراہم نہیں کرتے کہ ان کی ادبی حیثیت اور طلبہ کی معلومات کے خیال سے فن خطاطی اور اس کے اقسام سے متعلق چند باتیں بتائیں، اس کا مقصد محض طلبہ کو خطوط اور ان کی خصوصیات سے روشناس کراتا ہے نہ کہ فن خطاطی سکھانا۔

اردو زبان دیگر زبانوں کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی کا مرکب ہے، اردو کی تحریری صورت خطِ فارسی یعنی نستعلیق ہے، اس رسم الخط میں زمانہ کے ساتھ ساتھ نئے نئے تجربات ہوتے رہے، یہاں تک کہ فن خوش نویسی نئے نئے روپ اور نئے نئے خطوط میں ظاہر ہوا۔

چوں کہ فن خطاطی کا تمام تر انحصار حروف تہجی کی بناوٹ اور اس کی ملاوٹ پر ہے، اس لیے خوش نویسی کے مختلف خطوط کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے اردو کے حروف تہجی کے سلسلے میں عرض ہے کہ نکات نستعلیق میں وحید ارشد نے ان کی کل تعداد ۳۸ بیان کی ہے، ان میں ھ، ء بھی شامل ہیں، اردو کے حروف تہجی میں عربی کے تین، فارسی کے (پ، ث، ژ، گ) اور ہندی کے تین (ٹ، ڈ، ڑ) حروف شامل ہیں، کل حروف تہجی میں بے نقطہ حروف کی تعداد ۱۸ ہے، تشابہ حروف یعنی جن کی بناوٹ ایک جیسی ہے وہ ۲۸ ہیں بعض حروف ایسے ہیں جو دوسرے حروف سے نہیں جڑتے، اگر وہ لفظ کے شروع میں آئیں تو الگ رہیں، درمیان میں آئیں تو لفظ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں اور آخر میں آئیں تو ان کی شکل بدل جائے، ایسے حروف کو حروف مفرد کہتے ہیں جو

ر، ڑ، ز، ژ)، خفت حروف کی تعداد ۲۷ ہے جو ایک دوسرے سے

م میں عراق، حجاز اور عرب میں کوفی و عبرانی زبانیں اور ان کے رسم الخط
سے ۳۱۰ھ میں عربی یا خط نسخ کی ایجاد کی اور حسن نامی ایک شخص نے
ں کی ایجاد کی، ابتدا ہی میں دونوں خطوط یعنی خط نسخ اور خط تعلیق کچھ
ے، ساتویں صدی ہجری میں ایران کے شاعر میر علی تبریزی نے خط نسخ
نسخ + تعلیق) کی ایجاد کی، یہ خط ایسا مقبول ہوا کہ شاغل عثمانی نے
یں اس کو احسن الخطوط اور ... وس الخط کہلانے کا مستحق قرار دیا ہے،
فرا ... یت اور دل کشی کے لیے مشہور ہیں مگر خط اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکے
او ... ضائے انسان کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، چوں کہ خط نستعلیق کی
یں ہوئی، اس لیے اس کی بناوٹ میں تلوار کا خم بھالے کی نوک اور
اطی کے بیشتر خطوط عربی رسم الخط سے ایجاد ہوئے ہیں، اس لیے
تا ہے، حسب ذیل خطوط ابن مقلہ کے ایجاد کردہ ہیں:-
ی کے لفظی معنی ایک تہائی ہیں) جس نے خط ثلث کو سیکھ لیا گویا اس
یا، اسی لیے اس کو خط ثلث کہا جاتا ہے۔
ط کے ایجاد کے بعد چونکہ پہلے کے تمام خطوط منسوخ ہوگئے ہیں،
کو خط نسخ کہا گیا ہے۔
ع کے معنی شاہی فرمان، چونکہ شاہی فرمان اسی خط میں لکھے جاتے
ے نام سے پکارا گیا۔
یمان ایک خوبصورت اور خوش بودار پھول کا نام ہے چونکہ یہ خط
ت و نفاست رکھتا ہے، اس لیے اس کو خط ایمان کہتے ہیں۔
خط کے دائروں کی بناوٹ و پیمائش میں پوری تحقیق سے کام لیا جاتا
کے لحاظ سے اس کو خط محقق کہتے ہیں۔

۶- خط رقاع، (رقعہ کی جمع رقاع) دفاتر کے حساب و کتاب اور رقعہ جات اس خط میں لکھے جاتے تھے، اس لیے اس کو خط رقاع کہتے ہیں۔

ابن مقلہ کے مذکورہ بالا خطوط کے علاوہ بھی کچھ خطوط دوسروں نے ایجاد کیے ہیں، ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۷- خط تعلیق یا خط دیوانی، اس خط کے حروف ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کے الفاظ کو بدلا نہیں جاسکتا، اس لیے فرمان اور مراسلات کے لیے اسی خط کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۸- خط نستعلیق، یہ خط نسخ اور خط تعلیق سے بنا ہوا ہے، اس کے معنی خط تعلیق کو منسوخ کرنے والا بھی لیا جاتا۔

۹- خط شکستہ، اس خط کو شکستہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں ایک قسم کی شکستگی پائی جاتی ہے، اس کا دوسرا نام خط دیوانی بھی ہے کیوں کہ تیز رفتاری سے لکھنے کے لیے عدالتوں نیز دوسرے دفاتر میں اس خط کا استعمال کیا جاتا تھا، خط تعلیق اور نستعلیق کو ملا کر یہ خط ایجاد کیا گیا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کے اصول و ضوابط معین کیے گئے۔

۱۰- خط شفیعہ، یہ خط شکستہ ہی کی ایک مخصوص طرز کا نام ہے، مرزا شفیعاتی جو اس خط کے استاد مانے جاتے ہیں، ان ہی کے نام پر یہ خط مشہور ہے، بعض خوش نویسوں نے قلمی صناعی اور نقاشی کے ایسے نمونے پیش کیے کہ وہ اپنی صناعی کے باعث خط "مصنوعہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔

۱- خط گلزار، اس خط کی خوبی یہ ہے کہ پہلے بہت ہی باریک لکیروں سے حروف کی حد بندی کردی جاتی ہے، جس کے درمیان کا حصہ خالی رہتا ہے پھر ان خالی جگہوں پر پھول، پتے، بیل بوٹے اور آڑی ترچھی لکیریں کھینچ دی جاتی ہیں جس کی وجہ سے یہ گلزار معلوم ہوتے ہیں۔

۲- خط غبار، حروف جلی کے درمیان بہت باریک لفظوں یا عبارت کو اس طرح لکھا جاتا ہے کہ وہ غبار کی شکل میں نظر آتے ہیں، اس لیے اس کو خط غبار کہتے ہیں۔

۳- خط ماہی، چوں کہ یہ خط ماہی سے مناسبت رکھتا ہے، اس لیے اس کو خط ماہی کہتے ہیں، خط گلزار کی طرح اس میں پہلے باریک لکیروں سے حروف کی حد بندی کردی جاتی ہے پھر

ادہ ہوتا ہے، اس میں باری لفظوں یا طرز کے ذریعہ مچھلی کی شکل
صے کی طرف سر اور پتلے حصہ کی طرف اس کی دم ہوتی ہے۔
ی طغرے اسی خط میں لکھے جاتے ہیں، اس میں حروف ایک
ے جاتے ہیں کہ انسان، جانور، پرندے یا کسی عمارت (عموما
، خوش نویسی کے اصول وقواعد سے ہٹ کر اس میں زاویہ یا نقطے

عکوس، اس میں اصل لفظ کو سیدھے لکھ کر وہی الفاظ اس کے
س بات کا دھیان رکھنا ہوتا ہے کہ الٹے حروف اصل کے مطابق
ے مطابق ہو۔
معنی جوڑواں بچے) یہ خط دو باریک کاغذوں پر الگ الگ اس
حصہ ایک کاغذ پر سیدھا دوسرا حصہ دوسرے کاغذ پر الٹا ہو، ان
و عبارت سمجھ میں نہیں آتی مگر جب دونوں صفحات کو ملا کر پڑھا
جاتی ہے، آج کل بدخطی اردو داں طبقہ میں عام ہوتی جارہی ہے
اس قدر خراب ہوگیا ہے کہ یہ لوگ اپنی بدخطی کا عیب چھپانے
تے ہیں کہ ''قابلیت محتاج خوش خطی نہیں'' یہ لوگ اپنے بیان کی
م گزرے ہیں وہ سب بدخط تھے، یہ تو بیانہ یا حیلہ شرعی ہے، ورنہ
ی نہایت دل کش و دل فریب ہنر اور فن ہے، بچے سے بوڑھے
شی رہتی ہیں اور اس سے لطف اٹھاتی ہیں، کون ایسا ہوگا جس کی
ف میں لکھی ہوئی کتاب کی جانب مایل نہ ہوتی ہو، کون سا پڑھا
تحریر کو پسند نہ کرتا ہو، خوش خط لکھی ہوئی کتاب سب کو بھلی معلوم
ب کسی کو پسند نہیں آتی، لہذا اسکولوں میں خوش نویسی کی تعلیم کا
ی تعلیم کے لیے خوش خط استاذ مقرر کیا جائے اور مشق کے لیے
سل مشق کر کے خوش خط ہوجائیں کیوں کہ بغیر مشق کے خوش خط

امر محال ہے، چنانچہ انیس کہتے ہیں:-

گرہمی خواہی کہ خلعت گردد اے انیس — می نویس و می نویس و می نویس و می نویس

ہر اردو کا معلم خوش نویس نہیں ہوتا، اس لیے خوش خطی کی تعلیم اردو استاذ کے سپرد نہ کرنی چاہیے بلکہ ماہر خوش نویس کے ذمے ہونی چاہیے جو تختہ سیاہ پر اور تختی اور وصلی پر خوش خط لکھ کر بچوں کے لیے نمونہ قایم کرے، جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے، اساتذہ تختہ سیاہ پر خوش خط لکھتے ہیں اور طلبہ کو عمدہ نمونے دیکھنے اور اتباع کرنے کا موقع دیتے ہیں۔

تختی اور وصلی پر مشق کرنے کے بعد بچوں کو کاغذ پر لکھنے کی مشق کرائی جائے، خطاطی کی کاپی پر سیکھنے کے لیے قلم کا خط نسبتاً خفی رکھا جائے، خطاطی یا خوش نویسی کی کاپیاں جو اسکولوں میں عام طور پر استعمال کی جاتی ہیں وہ مفید نہیں کیوں کہ ان کاپیوں میں اوپر کی سطر خوش خط ہوتی ہے، طلبہ اس سطر کی نقل نیچے کی سطروں پر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ہوتا یہ ہے کہ وہ پہلی سطر کی نقل دوسری سطر میں کرتے ہیں پھر دوسری کی نقل تیسری سطر میں کرتے ہیں، اس طرح وہ ایک مرتبہ خطاط کی طرز کی نقل کرتے ہیں پھر اپنے ہی خط کی نقل کرتے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے بدخط لکھتے ہیں اور یہ طریقہ بجائے فایدے کے نقصان دہ ہوتا ہے، اس عیب کو دور کرنے کے لیے دو صورتیں مناسب ہیں، بجائے خطاطی کی کاپیوں کی کاپی سلپ استعمال کرائی جائیں جن میں صرف ایک سطر خوش خط لکھی رہتی ہے، اس کی نقل سادہ کاپیوں میں کرائی جائے، ایک سطر لکھنے کے بعد کاپی سلپ نیچے کھسکا کر رکھی جائے تو دوسری سطر لکھنے میں بھی کاپی سلپ کے خط کی نقل ہوتی ہے اس سے طلبہ ہر سطر میں خوش نویس کی نقل کرتا ہے اور اس کا خط درست ہوجاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو خطاطی کی کاپی استعمال کی جائے اس میں خوش خط لکھی ہوئی عبارت نیچے لکھی ہوئی ہو اور اس کی نقل اوپر کی سطروں میں کی جائے، اس کے علاوہ سادہ کاپی یا خطاطی کی کاپی جو بھی ہو اس میں ہر سطر میں پانچ متوازی سطریں کھینچی جائیں تا کہ اسی نسبت سے دایرہ اور کششوں کا اندازہ ہوجائے یا کاپی چار خانے کے کاغذ کی ہو۔

لکھنا سکھانے کے جو طریقے ہیں ان میں سے صرف ایک طریقہ خوش نویسی کے لیے موزوں ہے یعنی خطاطی کی تعلیم کے لیے بہترین اصول یہ ہے کہ آسان سے مشکل کی طرف اور

، لہذا پہلے مفرد حروف ابجد کی مشق کرانی چاہیے، مناسب یہ ہے
تقسیم کرلیا جائے، ہر گروہ میں ایسے حروف شامل کیے جائیں جو
ے ہوں، ہر گروہ میں سے پہلے ایک حرف کی مشق کرائی جائے اس
رانے میں آسانی ہوتی ہے، حروف کی گروہ بندی یا تقسیم بندی یا
ائے تو اچھی خاصی مشق ہوجاتی ہے۔

ع (') لفظوں کی مشق کرائی جائے بعد میں نقطۂ حمیدہ اور نقطۂ
۔ وہ حروف جو خطوط مستقیم عمودی سے بنتے ہیں، ا - لا ۔ ۳- وہ
اور نقاط مدور مربع کے ملانے میں بنتے ہیں، ا - د - و - وغیرہ۔
ا سے بنتے ہیں، ابتدا ب سے کی جائے بعد میں وہ حروف لیے
مدور یا خط عمودی یا ترچھا خط جوڑنے سے بنتے ہیں، ف - ک -
ہ یا نیم دایرے میں خط مستقیم عمودی یا نقطہ مدور یا ربع دایرہ ملانے
ں - ص - ش - ی - ان حروف میں داہنے سرے پر خطوط و نقاط
وہ حروف جو نیم دایرے اور خط افقی یا ربع دایرے سے مرکب
ر خط اور مربع دایرہ مرکب ہوتے ہیں، ان میں بائیں سرے پر
یں، مثلاً ح - غ ۔ ۷- وہ حروف جو بے قاعدے مختلف اجزا
- م - کہ اور ء شامل ہیں، ان حروف کی مشق اگر خانہ دار کاغذ
یرہ کا صحیح اندازہ ہوجاتا ہے۔

ے بھی ایک حد تک کرسی، دور اور نشستوں کا اندازہ ہوسکتا ہے:-
۔ ۲- الا ۔ ۳- رزدذ وہ ۔ ۴- ف ک ے ۔ ۵- ن ل
ع ؛ ط م کہ ۔

تیب اس طور سے مشق ہو تو نشست اور کرسیوں کا بہ خوبی اندازہ
ں ط ف ق ک کہ ل م ن د ہ ھ لا ء ی ے ۔
خوبی مشق ہوجائے تب مرکبات کی مشق کرانی چاہیے، سب سے

پہلے طلبہ کو ذہن نشین کرنا چاہیے کہ مرکبات یعنی ایک حروف کے دوسرے حرفوں سے ملنے یا ترکیب پانے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

۱- ترکیب سابق، جب کوئی حرف ایک کلمے میں اپنے سے پہلے حروف سے لے کر لکھا جائے تو اسے ترکیب سابق کہتے ہیں، جیسے باس الف اے ماقبل حروف ب اور بب میں ب اپنے ماقبل سے ملا کر لکھا گیا ہے۔

۲- ترکیب طرفین، جب کوئی حرف اپنے ماقبل اور بعد حرف سے ملا کر لکھا جائے تو اسے ترکیب طرفین کہتے ہیں جیسے مشق میں ش اور حروف میں رو اور بحث میں ح حروف ماقبل اور حروف مابعد سے ملا کر لکھا گیا ہے، نستعلیق کے حروف مرکبات میں اپنی شکل۔

حروف منفصلہ، وہ حروف ہیں جو بعد کے حروف کے ساتھ ملا کر نہیں لکھے جاتے اور اگر آپس میں ملتے ہیں تو الگ الگ اپنے میں اور کسی صورت میں اپنی شکل نہیں بدلتے، البتہ حروف متصلہ کے ساتھ آتے ہیں تو پہلی حالت میں علاحدہ اور درمیانی اور آخری حالت میں حروف ماقبل سے ملا کر لکھے جاتے ہیں، ا - د - ڈ - ز ر ڑ ز ژ و ء ان میں سے ا - د اگر شروع میں آئیں تو علاحدہ لکھے جاتے ہیں اور آخر میں آئیں تو ماقبل سے ملا کر لکھے جاتے ہیں مگر اپنی شکل نہیں بدلتے ہیں، البتہ ذ ڑ ز ژ آخر میں اپنی شکل کسی قدر اور د ڈ ذ اپنی شکل بالکل بدلا دیتے ہیں اور ر کی شکل میں لکھے جاتے ہیں۔

حروف متصلہ، وہ حروف ہیں جو بعد کے حروف کے ساتھ ملا کر لکھے جاتے ہیں، ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ی ے، سب آخر میں سالم لکھے جاتے ہیں اور حروف متصلہ بعد میں الگ لکھے جاتے، ان حرفوں میں سے ط ظ اپنی شکل نہیں بدلتے، ب پ ت ٹ ث ابتدا اور بیچ میں شکل بدلتے ہیں لیکن آخر میں پوری شکل لکھی جاتی ہے، ج چ ح خ ص ض کے سر اور س ش کے شوشے لکھے جاتے ہیں اور آخری حالت میں پوری شکل لکھی جاتی ہے، ع غ کے دایرے بھی ابتدائی حالت میں حذف کردیے جاتے ہیں، بیچ میں ان کی شکل (لبچ) کی اور آخر میں کبھی اصل شکل (لبچ) ہوجاتی ہے۔

ف اور ق کا ابتدا میں صرف ف ۃ لکھا جاتا ہے اور درمیان میں شکل بدل کر سف.

ی کہ گہ اور کا ہوجاتی ہے، ل ابتدااور درمیان میں بغیر دایرے کے
ابتدااور بیچ میں بدل کر مہ لمہ ہ کی کلموں کی ابتدامیں تین شکلیں ہوجاتی
میان میں دو(ھ ، ـ)اور آخر میں بھی تین شکلیں ہوجاتی ہیں۔
پشت والی بنچیں ہوں اوران کے قد کے موافق ہوں تاکہ ان کا پاؤں لٹکتا
ر آرام سے ٹکے رہیں۔
ے قد کے لحاظ سے ہوں نہ بڑے ہوں اور نہ چھوٹے، تختوں کے کنارے
ڈھیلاؤ ہوکہ سیٹ کو نہ دبائیں، ڈسک کا فاصلہ جس پر کاپی رکھی جائے وہ
ناصلے پر ہو۔
یٹھنے کی عادت ڈالنی چاہیے اگر طلبہ دائیں بائیں جانب جھک کر بیٹھیں
کجی پیدا ہوگی اور آنکھ کو بھی نقصان پہنچے گا، لکھتے وقت طلبہ کو ہدایت کرنی
بیٹھیں، دائیں زانو کو کھڑا کر کے اور بائیں رانوں کو زمین پر رکھ کر تختی
یں ہاتھ سے تختی کو سنبھالیں اور قلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھے اور پاس کی دو
حروف سکھانے کے لیے قلم کا خط ۱/۵ سم کے قریب ہوالبتہ جب کاپی پر
کے خط کے موافق بنانا چاہیے، اچھا قلم ہمارے ملک میں بہت ہوتا ہے،
ہیے کہ قلم کا سرا ٹیڑھا رہے اور شگاف سیدھا آئے اس غرض کے لیے قلم
یں جس میں بل ٹھہر جائے، اسی بل پر تراشنا چاہیے۔
م تراش سے میدان قلم کی ناپ بعضوں کے نزدیک انگوٹھے کے پور کے
یہ ہے کہ قلم کا دور ناپ کر اس کے مطابق میدان قلم رکھیں وہاں قلم نہ بہت
بحد اعتدال رکھیں اور قلم کے ریشوں کو چھیل کر صاف کریں، قسط ٹھیک
میں طرف زیادہ حصہ چھوڑیں اور دائیں جانب کم، کیوں کہ بائیں جانب
ابنائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے بائیں حصے کو خفی کہتے ہیں اور اس کے
جلی کہتے ہیں، قسط کسی قدر ترچھا دینا چاہیے تاکہ خفی نوک پلک زیادہ پیدا
قدر چھیل دیا جائے تاکہ قلم کی نوک میں سیاہی ٹھہر سکے، قلم انگوٹھے اور انگلی

سے پکڑیں اور درمیانی انگلی سے سہارا دیا جائے۔

خوش خطی کے لیے دیسی ساخت کی سیاہی مناسب اور موزون ہے کیوں کہ اس کے اجزا کے خواص یہ ہیں کہ سیاہی پھیلتی نہیں اور ہر شوب میں بہ قدر اعتدال آتی ہے، دیسی سیاہی بازار میں دست یاب ہوجاتی ہے اور عام طور پر سہولت اسی میں ہے کہ بازار سے عمدہ قسم کی سیاہی خرید کر کام میں لائی جائے لیکن خوش نویس اپنی سیاہی خود تیار کرتے ہیں، چنانچہ سیاہی کے سینکڑوں نسخے کتابوں میں درج ہیں، اچھی سیاہی کی خوبی یہ ہے کہ ایک قلم سے بہت سی سطریں لکھ سکیں اور تحریر رنگین اور براق ہو۔

کتابیات

۱- رسم خط آموز از مولوی اظہر الدین صاحب منشی فاضل۔

۲- ارژنگ چین ونظم، اوین ایضا، مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔

۳- مفتاح القلم از سید محمد حسین جعفری، حیدر آباد۔

۴- تعلیم اردو ملا حسن ۱۳۰۴ھ۔

۵- Otto Brik Basic Principles of working -

۶- رسالہ جامعہ جلد ۸۵ شمارہ نمبر-۱۔

۷- اردو رسم خط ڈاکٹر خلیل بیگ۔

۸- سجاد مرزا کا حرفوں کا ڈبہ، حیدر آباد ۱۹۴۵ء۔

۹- مٹیا موزی کا طریقہ نوشت ۱۹۳۴ء۔

۱۰- رہنمائے قاعدہ مطبوعہ جامعہ دہلی از عبد الغفار مدہولی۔

۱۱- قواعد اردو از شیخ صدیقی جلد دوم۔

۱۲- مصباح القواعد مولانا فتح محمد جالندھری انجمن ترقی اردو۔

۱۳- قواعد اردو از مولوی عبد الحق۔

۱۴- اسالیب اردو محی الدین قادری زور۔

☆☆☆

العقدالفرید کے مصادر

از:- محمد قمرالدین قاسمی ☆

ں کے خدمات اور کارنامے اظہر من الشمس ہیں، ابن عبدربہ کا تعلق
تصنیف العقد الفرید کو وہاں تصنیف کی جانے والی کتابوں
میں مصنف نے مشرق کے شعرا، خطبا اور نثر نگاروں کے اقوال
ں سلیقے سے جمع کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی[۱]۔
کتابوں میں اسے تفوق اور برتری حاصل ہے اور وہ عربوں کی
رے میں ایک اہم ماخذ و مصدر کا درجہ رکھتی ہے، اس کا اعتراف
تھی اور شیبانی وغیرہ نے بھی کیا ہے اور تیسری و چوتھی صدی ہجری
ں کے حوالے سے دی گئی ہیں، اس لیے ان کے بجائے العقد
سے استفادہ کرنا زیادہ بہتر ہے[۲]، ابن عبدربہ نے اس کتاب کی
پیش رو مصنفین کی امہات کتب کو اپنے سامنے رکھا ہے اور ان
لی ہیں اور بعض جگہ حذف و اضافہ اور اخذ و تلخیص سے کام لیا ہے،
ر ڈالی جائے گی جن کا تذکرہ "العقد الفرید" میں موجود ہے۔
ربہ نے قرآن اور حدیث سے بہت کچھ استفادہ کیا، العقد
مبارکہ اور احادیث نبوی ﷺ سے خالی نہیں، مصنف نے اپنی
قرآن و حدیث سے جابجا استدلال کیا ہے[۳]۔
ایک ماخذ توریت و انجیل بھی ہے اور ان سے بھی اس نے اپنی

ندوہ، یوپی۔

کتاب کو زینت بخشی ہے لیکن ادب کی دوسری کتابوں میں اس کا التزام کم ہے[۴]۔

ابن قتیبہ ابوعبداللہ محمد بن مسلم الکوفی مروزی (۲۱۳-۲۷۶ھ) کی مشہور کتاب "عیون الاخبار" ہے اور اسی سے ابن عبدربہ نے زیادہ روایات نقل کی ہیں، اس کے علاوہ اس کی دوسری تصنیفات "کتاب الاشربة" اور "کتاب فضل العرب و العجم" وغیرہ سے بھی روایات لی ہیں، جس کا تذکرہ مصنف نے مقدمہ میں بھی کیا ہے[۵]۔

یہاں اس کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ابن عبدربہ نے اپنی کتاب کو عیون الاخبار کے نہج پر مرتب کیا ہے، جس کی ترتیب اس زمانہ کے ادبا کے نزدیک معیاری اور پسندیدہ تھی، ابن عبدربہ کا خود بھی یہ خیال ہے کہ "ابن قتیبہ اپنے زمانے کے اکثر ادبا کے مقابلے میں اس کتاب کے حسن ترتیب کی وجہ سے نمایاں تھے"، العقد الفرید اور عیون الاخبار کا موازنہ کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے ابواب میں بڑی حد تک یکسانیت ہے، مثلاً: ابن عبدربہ نے اپنی کتاب کا پہلا باب "کتاب السلطان" قایم کیا جس طرح ابن قتیبہ نے "کتاب السلطان" کو اپنی کتاب کا پہلا باب قرار دیا ہے[۶]۔

دونوں کتب کے مشترک ابواب حسب ذیل ہیں:-

کتاب السلطان، کتاب الحروب، کتاب التاریخ، کتاب العلم، کتاب الخطب، کتاب النساء و صفاتهن، کتاب الطبائع و الاخلاق، کتاب وصايا المؤدبين اور کتاب البيان و البلاغة والتلطف فی الجواب وغیرہ، مگر دونوں کے انداز و اسلوب مختلف ہیں اور فصول بھی جدا جدا ہیں۔

ابن قتیبہ کی عیون الاخبار کی کتاب العلم و البیان کے مباحث اور اکثر روایات کو ابن عبدربہ نے اپنی کتاب کے باب کتاب الواسطه فی الخطب میں نقل کیا ہے اور جن ابواب میں ابن قتیبہ نے دوسری کتب ادب سے روایتیں لی ہیں ان کو ابن عبدربہ نے اصل مصنفین کے بجائے ابن قتیبہ ہی کے حوالہ سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے[۷]۔

جاحظ ابوعثمان عمرو بن بحر الکنانی (۱۹۰/۲۵۵ھ) سے بھی ابن عبدربہ نے روایات نقل کی

شہور ومعروف ادیب تھا اور اکثر متاخرین ادبا نے اس پر اعتماد کیا
ہیں[۸]۔
ظ کی کتب کے چند ابواب اپنی کتاب "العقد الفرید" میں
ب میں متعدد فصلوں کو جاحظ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جیسے فی
ستنجاز لوعد و الاعتذار و التعازی، وکتابة
ب المولی و العرب کو بھی کتاب الادب میں نقل کیا۔
ظ کی کتاب کتاب المحاسن و الاضداد، کتاب البیان
، کتاب الحیوان اور قحطان علی عدن وغیرہ سے
روایات نقل کی ہیں لیکن اس کی اکثر روایات 'کتاب البیان و

بن یزید الازدی النحوی (۲۱۰-۲۸۵ھ) کی کتاب "الکامل" سے
، چوتھی صدی کے بعض ادبا مثلاً ابوالفرج الاصفہانی وغیرہ نے بھی

ں" کے علاوہ مبرد کی سب سے اہم کتاب "کتاب الأزارقة"
ایات نقل کی ہیں، اس کی ایک اور کتاب "کتاب الروضة"
ں[۱۰]۔

ور انشاپرداز عبداللہ بن المقفع (۱۰۶-۱۴۲ھ) کی کتاب "الادب
لکبیر" اور "کلیله و دمنه" بھی ابن عبدربہ کے مآخذ میں
ں روایات کے اسناد حذف کرکے صرف اس کے نام لکھنے پر اکتفا کیا،
ب کلیلہ ودمنہ نے کہا" یا "ابن المقفع نے کہا" وغیرہ[۱۱]۔

الجمی (۷۶۷-۸۴۶ء) سے بھی ابن عبدربہ نے چند جگہوں پر
ب کی تعیین کی اور نہ ہی اس بات کو واضح کیا کہ بذات خود اس نے
سی دوسرے مصادر سے روایات لی ہیں[۱۲]۔

ابوعبیدہ ابوعبیدہ معمر بن مثنی التیمی (۱۱۰-۲۰۹ھ) کی کتب سے ابن عبدربہ نے مدد لی ہے اور چند جگہوں پر ان سے روایات اخذ کی ہیں لیکن کتاب کے ذکر کے بجائے صرف مصنف کے نام پر اکتفا کیا، اسی طرح ابن عبدربہ نے عربوں کے واقعات کو بیان کرنے کے لیے "باب الدرة الثانية فی ایام العرب"[۱۳] کے نام سے ایک باب قائم کیا اور اس کی تمام منقول روایات کو ابوعبیدہ کی طرف منسوب کیا مگر کتاب کی تعیین کے بغیر ابوعبیدہ کے نام پر اکتفا کیا، چنانچہ قلقشندی نے لکھا ہے کہ "ابوعبیدہ عربوں کی دنیا میں منفرد شخص ہے جس سے ابن عبدربہ نے اکثر و بیشتر روایات نقل کیا ہیں"[۱۴]۔

ابن وحشیہ دوسری صدی کے مشہور ادبا میں ایک نمایاں نام ابوبکر احمد بن علی الکلدانی القبطی کا ہے، ان سے بھی ابن عبدربہ نے اپنی کتاب کے "کتاب المزبرجدة الثانية فی طبائع الانسان وسائر الحیوان"[۱۵] میں روایات نقل کی ہیں، ان کے علاوہ ابن عبدربہ نے مفضل بن محمد الضبی، اصمعی، شیبانی، عتبی اور ابوجعفر البغدادی وغیرہ سے بھی روایات نقل کی ہیں[۱۶]۔

ابن ہشام ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) سے ابن عبدربہ نے سیر ومغازی کے ضمن میں اکثر روایات نقل کی ہیں اور اس کے ساتھ ابن اسحاق سے بھی روایات کی ہیں۔

ابن عبدربہ نے عربی کے علاوہ بھی دوسری زبانوں کی کتب ادب سے استفادہ کیا جس کے متعلق جرجی زیدان گویا ہے کہ "ابن عبدربہ نے نہ صرف عربی کتب سے استفادہ کیا بلکہ ان کتب سے بھی روایات نقل کی ہیں جو یونانی، ہندی اور فارسی زبان سے عربی میں نقل کی گئی"[۱۷]۔

دواوین شعر ابن عبدربہ جب بھی اخبار یا واقعات بیان کرتا ہے تو اس کے آخر میں بطور استدلال اپنے یا دوسرے شعرا کے اشعار پیش کرتا ہے لیکن جب دوسرے شعرا کے اشعار کو نقل کرتا ہے تو صرف شاعر کا نام ذکر کردیتا ہے اور یہ نہیں بتاتا کہ وہ کہاں سے اور کس کتاب سے منقول ہے، ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں دوسو شعرا کے اشعار کو پیش کرکے اپنی بات کو مدلل اور وزن دار بنایا ہے، مشرق کے جن اہم شعرا کے کلام کو پیش کیا ہے ان میں جریر، فرزدق، اخطل، ابن ابی ربیعہ، ابونواس، ابوتمام، مسلم اور ابوالولید وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں[۱۸]۔

ابن عبدربہ نے جہاں کتب ادب اور شعرا کے کلام سے اپنی
ذہ کرام سے بھی روایات نقل کی ہیں، ان میں خشنی، ابن وضاح
ن اساتذہ کرام کے حوالے سے مصنف نے مشرق کے علما اور
یں، خاص طور پر شراب اور نبیذ میں ائمہ کرام کے اختلافات کو
کیے اور خود اپنی بھی رائے پیش کی[19]۔

ایسی جامع و منفرد کتاب ہے جس میں عربوں کی صدیوں کی ذہنی
ی تاریخ و تہذیب کا جوہر کشید کر دیا گیا ہے، اس کے اس حسین
اور ادبی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے، اس نے بڑے موثر انداز
ع پر قیمتی مواد جمع کیا ہے۔
پرداز اور مؤرخ و فلسفی تھا اور اس نے ادب و شعر و تاریخ اور
، اس کی ان خصوصیات اور حسن مذاق نے اس کی کتاب کو بڑا
ی۔

حوالہ جات

لتراث العربی، ص۲۳-۲۲، المکتبة العربیة، حلب،
البستانی: ابن عبد ربه و عقده، ص۵۰، المطبعة
۔ ۳- ایضاً، ص۴۶۔ ۴- ایضاً، ص۴۷۔ ۵- ایضاً، ص۳۸-۳۷۔
ربه: العقد الفرید، ج۴، ص۵۴، مطبعة لجنة
القاهرة، ۱۹۶۲ء۔ ۸- The Encyclopadia of Islam,
Vol-1, P-1000, Editted by: ۹- جبرانیل جبور
عقده، ص۴۱، المطبعة الکاثولیکیة، بیروت، ۱۹۳۳ء۔
ربه: العقد الفرید، ج۱، ص۲۷۳، مطبعة لجنة
ر القاهرة، ۱۹۵۲ء۔ ۱۲- جبرانیل جبور البستانی:

ابن عبد ربه و عقده، ص۴۴، المطبعة الکاثولیکیة، بیروت، ۱۹۳۳ء۔ ۱۳- ابن عبد ربه: العقد الفرید، ج۵، ص۱۳۲، مطبعة لجنة التالیف و الترجمة و النشر القاهرة، ۱۹۵۲ء۔ ۱۴- القلقشندی: نهایة الارب، ج۱، ص۳۹۳، مطبعة النجاح، بغداد، ۱۹۵۸ء۔ ۱۵- ابن عبد ربه: العقد الفرید، ج۶، ص۲۱۸، مطبعة لجنة التالیف و الترجمة و النشر القاهرة، ۱۹۴۹ء۔ ۱۶- جبرانیل جبور البستانی: ابن عبد ربه و عقده، ص۴۵، المطبعة الکاثولیکیة، بیروت، ۱۹۳۳ء۔ ۱۷- جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغة العربیة، ج۲، ص۱۷۴، دار مکتبة الحیاة، بیروت، ۱۹۶۷ء۔ ۱۸- ابن الفرضی: تاریخ علماء الاندلس، ص۳۷، مکتبة نشر الثقافة الاسلامیة، ۱۸۹۰ء۔ ۱۹- جبرانیل جبور البستانی: ابن عبد ربه، عقده، ص۳۹-۳۸، المطبعة الکاثولیکیة، بیروت، ۱۹۳۳ء۔

☆☆☆

دبستانِ مذاہب

پروفیسر سید امیر حسن عابدی ☆

ار قلمی نسخے ہیں، نیز قبلاً یہ کتاب ۱۲۴۲ ہجری (۱۸۸۹عیسوی)،
) اور ۱۲۹۸ ہجری (۱۸۸۱عیسوی) میں شایع ہوچکی ہے،
David Shea and نے کے نام سے انگریزی میں اس کا
ں کے مؤلف کا صحیح نام معلوم نہ ہوسکا تھا، Sir William
لی طرف منسوب کیا ہے جو بالکل غلط ہے، تہران میں رحیم
سے مرتب اور کتاب خانۂ طہوری[۲] نے شایع کیا ہے، اس میں
آذر کیوان دیا ہوا ہے مگر یہ بھی غلط ہے۔

خواجہ پیری، ڈائرکٹر، نور مائکروفلم سنٹر، خانۂ فرہنگ ایران، نئی
، جس سے پتا چلتا ہے کہ دبستان مذاہب کے مؤلف کا نام
ر ہے، اس نسخہ کی کتابت ۸؍شوال ۱۰۶۰ہجری (۱۶۵۰عیسوی)
کے آخر میں یہ عبارت ہے: ''کاتبہ...... محمد شریف ابن شیخ
ن...... تلحیور...... ہشت ماہ شوال...... ۱۰۶۰ہجری''۔

ہجری (۱۶۵۰عیسوی) کو مجد الدین محمد شاگرد مؤلف نے اسے
یا، وہ لکھتے ہیں: ''انجامید مقابلۂ دوازدہ تعلیم، ازکتاب دبستان
عارف کامل، صوفی واصل حکیم حکمت کدۂ دریافت حق شناسندۂ
ات سبحانی ما اعظم شانی استادی میرزا ذوالفقار آذر ساسانی

۲- ۱۳۶۲ہجری شمسی۔

لی۔

بسلک تالیف در آوردہ بود، بقدر طاقت ...... شناخت خود کردہ در کنار و ثبت نمودہ بنشان میم......
لیکن شاگرد مجد الدین محمد مقابلہ ساز این نامۂ حضرت استاد است قدحرزہ فی ۲۳؍شوال ۱۰۶۰ہجری''۔

اس نسخہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے اس پر بے شمار حواشی اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں اور ہر حاشیہ کے آخر میں م دیا ہے، جو موبد کی اختصاری علامت ہے، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مؤلف اس وقت تک زندہ تھا اور اس نے اس نسخہ کو خود دیکھا تھا اور اس پر حاشیے تحریر کیے تھے۔

یہ نسخہ کبھی شاہ عالم بادشاہ غازی[۱] کے کسی امیر کے پاس بھی تھا، جس کی مہر اس پر دی ہوئی ہے مگر سوائے ''فدوی...... خان'' کے اصل نام پڑھا نہ جاسکا۔

اس نسخہ کی خاص بات یہ بھی ہے کہ ہر تعلیم کے آخر میں کاتب یا مقابلہ کرنے والے نے مؤلف کا نام وغیرہ بار بار دہرایا ہے، جس سے اصل مؤلف کا صحیح پتہ چل جاتا ہے، پہلی تعلیم کے خاتمہ پر لکھا ہوا ہے: ''تمام شد تعلیم اول، کہ در احوال پارسیان بود، مشتمل براہ نظر از دوازدہ تعلیم دبستان موبد''۔

دوسرے کے اختتام پر ہے: ''تمام شد تعلیم ثانی از کتاب دبستان فرخندہ موبد آذر ساسانی، کہ در عقاید ہندوان بود، انشاء اللہ شروع نمودہ شود در تعلیم سیم کہ در عقاید کیانیانست''۔

تعلیم پنجم کے آخر میں ہے: ''تمام شد تعلیم پنجم از کتاب دبستان تالیف موبد بتائیدات یزدانی، میرزا ذوالفقار آذر ساسانی المتخلص بہ موبد''۔

تعلیم ششم کے خاتمہ کے بعد یہ عبارت ہے: ''بانجام پیوست تعلیم ششم از کتاب دبستان، موبد بتائیدات ربانی میرزا ذوالفقار آذر ساسانی المتخلص بہ موبد''۔

دسویں تعلیم کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے: ''تمام شد تعلیم دہم از کتاب دبستان، تالیف محقق دانا و مدقق توانا، حقیقت آرای تحقیق، موبد بتائیدات یزدانی فرخ سیرت، میرزا ذوالفقار آذر ساسانی المتخلص بہ موبد طول اللہ عمرہ''۔

گیارہویں تعلیم کے آخر میں ہے: ''تمام شد تعلیم یازدہم از کتاب دبستان تالیف حکیم فاضل و فرزانہ کامل، محقق دانا، مدقق توانا موبد بتائیدات حضرت یزدانی میرزا ذوالفقار آذر ساسانی المتخلص بہ موبد طول عمرہ''۔

۱- ۱۷۵۹-۱۸۰۶ء۔

وسط میں جگہ جگہ سے کئی ورق غایب ہیں، آخری اوراق بھی گڑبڑ
سے اس کا مقابلہ کر کے دیکھیں گے تو دونوں میں بڑا فرق نظر آئے
نخہ کی تیاری کے بعد بھی اضافہ کرتا رہا ہے یا کسی اور نے اس میں
بہت سی اہم چیزیں ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں، اس کے برعکس
قلمی نسخہ میں نہیں ہیں، بہرحال اس مقالہ میں صرف اہم اور زیادہ

ند[1] نے توریت کا فارسی میں ترجمہ کیا اور مؤلف کے ساتھ بیٹھ کر اس کا
تھا، مگر مطبوعہ نسخہ میں یہ ہے کہ ابھے چند نے توریت کے بعض حصوں
نے مؤلف کے ساتھ بیٹھ کر مقابلہ کیا، قلمی نسخہ کی عبارت یہ ہے:۔
ترجمہ کردہ و نامہ نگار صحیفۂ آدم را با سرمد ابا توریت اصل مقابلہ کردہ"[2]۔

ت یہ ہے:۔
ریت بفارسی ترجمہ کردہ است، نامہ نگار آں را با سرمد مقابلہ کردہ"[3]۔
بیہ کے بیان کے سلسلے میں نظر چہارم میں دونوں کی عبارتوں میں
؛ خواجہ محمود پسیخانی[6] اور ان کے صاحب زادے خواجہ مسعود سے
ں وہ نسخہ طہوری میں نہیں ہیں۔
طہوری میں سات صفحے (۲۵۹-۲۶۵) ایسے ہیں جو اس قلمی نسخہ
یہ" سے لے کر "کرامات سید نا دانستند" تک غالباً بعد میں کسی نے
میں کم از کم ایک ورق غایب ہے جس سے مطلب کے سمجھنے میں

جائے کہ "دیوان موبد" کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود
ب

۱۶۵۹یا ۱۶ عیسوی ۔ ۲۔ ورق ۱۷۴ ۔ ۳۔ ص ۲۱۸ ۔ ۴۔ ۹۳۷-۹۶۳ ہجری /
۱۰۱ ہجری / ۱۵۵۶-۱۶۰۵ عیسوی ۔ ۶۔ وفات: ۸۳۱ھ / ۲۸-۱۴۲۷ء۔
٭٭٭

اخبار علمیہ

جنوب مشرقی ایشیا کے پانچ ممالک کے سو مسلم اسکالروں کی دو روزہ کانفرنس جکارتا میں ہوئی، اس کا خاص موضوع مذہبی انتہا پسندی تھا، جس میں یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ دنیا کے طاقت ور ممالک کو عالمی دہشت گردی اور انتہا پسندی کے مسئلے کو حل کرنے کی دعوت دی جائے، کانفرنس کے منتظم نے آگاہ کیا کہ موجودہ دہشت گردی اور انتہا پسندی سے صرف مسلم ممالک اور مغرب ہی کے درمیان تہذیبی تصادم کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے بھی خود آپس میں ٹکرا جانے کا خطرہ بھی ہے، کانفرنس نے مذہبی معلمین کو بھی توجہ دلائی کہ وہ اسلام کی اصل شبیہ کو اس انداز سے پیش کریں کہ وہ پوری دنیا کے لیے قابل قبول اور مفید معلوم ہو، کانفرنس میں انڈونیشیا، سنگاپور، ملیشیا، کمبوڈیا اور فلپائن کے مذہبی علما اور مندوبین نے شرکت کی، انڈونیشیا کے دو اہم اداروں ندوۃ العلما اور محمدیہ نے اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ وہ اسلام کو درپیش جدید چیلنج کا سامنا کریں گے۔

اقرا چینل نے انگریزی میں اسلام کے پرامن پیغام کی نشر و اشاعت کا منصوبہ بنایا ہے، اس کے ڈائرکٹر نے کہا کہ یورپ امریکہ اور ایشیا و افریقہ کے ممالک میں اس قسم کا یہ پہلا پروگرام ہوگا جو انگریزی بولنے اور سمجھنے والوں کو اسلام کے پیام امن کو سمجھنے کا موقع فراہم کرے گا، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل جو مہم جاری ہے اس کا جواب دینے کے لیے یہ منصوبہ ضروری بھی تھا اور تقاضائے وقت بھی، اس لیے چینل نے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والوں سے اس میں تعاون کی درخواست کی ہے۔

رمضان ۱۴۲۴ھ کے شروع کے پندرہ دنوں میں ۱۲ر عورتوں سمیت ۴۴ سے زیادہ فلپینی مسلمان ہوئے ہیں، اسلامک سنٹر، ریاض کی اطلاع ہے کہ رمضان سے پہلے شعبان کے مہینے میں ۹۲ فلپائن کے باشندے حلقۂ بگوش اسلام ہو چکے تھے، اس سنٹر کا قیام ۱۹۹۶ء میں عمل میں آیا تھا،

ں ۹۵۱۰ نومسلموں کا رجسٹریشن ہو چکا ہے جو مختلف قوم و نسل سے
یں داخل ہونے والے فلپائنی خود کو ''ریورٹس'' اس لیے کہتے ہیں کہ
ب تھا اس کی طرف وہ واپس آگئے ہیں، انہوں نے مزید کہا کہ
ن میں اسلام پھیلنے لگا تھا، حالاں کہ اس نے عیسائیت کی تبلیغ و
ک میں رنگنے کی پوری کوشش کی۔

ں میں مسلم استانیوں کو سر پر اسکارف یا نقاب لگانے کی ممانعت ہے
ی جس کو اب وزیر تعلیم نے ان صوبوں میں بھی ممنوع قرار دے دیا
کے سربراہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سے ملک کے
ں کے تعلقات میں رکاوٹ پیدا ہوگی، جرمنی کے ۱۶ر صوبوں میں
کے بیان میں ممانعت حجاب کے قانون کی حمایت کی گئی اور آٹھ
ور بلا وجہ بتایا ہے، برمین اسٹیٹ نے اس مسئلہ پر اپنا کوئی فیصلہ

حقوق انسانی کانفرنس حال ہی میں ریاض میں ہوئی جس میں یہ
شرہ میں اسلامی قوانین و تعلیمات کے دائرے میں رہتے ہوئے
ں کی کیا خدمت کر سکتی ہیں، کانفرنس میں حقوق انسانی کے تحفظ کے
ضع کیے ہیں، انہیں دنیا کے سامنے پیش کرنے پر زور دیا گیا اور
ے لیے ملکی اور قومی سطح کی کمیٹیوں کی تشکیل ضروری ہے، کانفرنس
نسانی کے تحفظ کا ایسا معیار وضع کیا جانا چاہیے جس کا اطلاق ہر
ر مذہب و قوم کا تحفظ اور اس کی تہذیب و روایات کا یکساں احترام
(ینگ مسلم)

ے آثار کا پتہ لگانے والا اسپرٹ روور جہاز کے ذریعے اس سیارے
ئی جہاز میں سوار روبوٹ نے ناسا کے سائنس دانوں کو وہاں کے
یں بھیجی ہیں ان کو دیکھ کر سائنس دانوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ

وہاں کی فضا اور ماحول انسانوں کی زندگی کے لیے سازگار اور مناسب ہو سکتی ہے، دوسرے اترنے والے روور میں برطانیہ کے بیگل کے مریخ پر پہونچنے کی اطلاع بھی ہے، واضح رہے کہ اس سے پہلے مریخ پر پہونچنے کی دو امریکی مہمیں نفع بخش نتائج اور تفصیلات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں لیکن اس بار کی تقریباً دو کرور کی لاگت والی یہ مہم ممکن ہے امریکی خلائی اور سائنسی مرکز ناسا کے لیے اہم اور نتیجہ خیز ہو جائے۔

جاپان کی مشہور و معروف کمپنی ٹویوٹا نے انسان نما روبوٹ تیار کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، جو علاج معالجے اور صنعتی خدمات میں مددگار ہوگا، کمپنی سے وابستہ اس کے ایک فرد نیہال کیزائی نے کہا کہ ہم اس روبوٹ کی بقیہ تفصیلات سے ورلڈ اکسپوزیشن ۲۰۰۵ کے موقع پر آگاہ کریں گے، ٹویوٹا کے ترجمان نے یہ بھی کہا کہ اس روبوٹ سے روزمرہ کی عملی زندگی میں کام لیا جا سکے گا، ہماری کوشش ہے کہ جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ روبوٹ میں آواز اور قوت حس پیدا کر دی جائے اور اس میں تدبیر کی صلاحیت بھی ہو، ٹویوٹا کو توقع ہے کہ نیا روبوٹ فیکٹری اور آپریشن وغیرہ کے کاموں میں جسمانی اعتبار سے بھی مدد کرے گا، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جاپان کی روبوٹ مارکیٹ کا تخمینہ ہے کہ اس کام میں ۷ء۴ بلین کا صرفہ آئے گا۔ (ٹائمس آف انڈیا)

پاکستان کے ادارہ سوشل پالیسی اینڈ ڈیولپمنٹ سنٹر کے مطابق ۱۹۷۲ء میں پاکستان میں ۲ر کرور ۸۰ر لاکھ افراد ناخواندہ تھے مگر اب ۲۰ر دسمبر ۲۰۰۳ء کی رپورٹ ہے کہ یہ تعداد بڑھ کر ۴ر کرور ۶۰ر لاکھ ہو گئی ہے، ۵ سے ۹ سال کی عمر کے ۵ر کرور بچوں میں صرف ایک کرور ۳۰ر لاکھ پرائمری تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں بھی اسکول چھوڑنے والے طلبہ کی شرح ۱۹۹۵ء-۱۹۹۶ء میں ۴۰بر تھی، ۱۹۹۹ء-۲۰۰۰ء میں بڑھ کر ۵۴بر ہو گئی تھی، جنوبی ایشیائی ممالک میں پاکستان میں ناخواندگی کی شرح سب سے زیادہ ہے، اس کا نام ان ۱۲ ممالک کی فہرست میں شامل ہے جو اپنی قومی آمدنی کا ۲بر سے بھی کم حصہ تعلیم پر خرچ کرتے ہیں، واضح رہے پاکستان میں گزشتہ پچاس سال میں تعلیم پر صرفہ کا فیصد ۱ء۸ ہے۔

ک، ص، اصلاحی

یدشاہ رضوان اللہ قادری مجیبی

پھلواری شریف پٹنہ کے سجادہ نشین مولانا سید شاہ رضوان اللہ
پاگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔
وہ تھے، یہ جانے کے دن نہیں ہوتے لیکن مشیت الٰہی میں کس
یا ذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا

فیض مدت دراز سے جاری ہے، شاہ صاحب اس کی قدیم
کی خصوصیات اور خوبیوں کے حامل تھے اور خود بھی ایک
رگ تھے، ان کی ذات سے ہزاروں طالبین وسالکین فیض یاب
ارشاد و ہدایت کا یہ سرچشمہ بند ہوگیا۔
م وصلوۃ کی پابندی، سادگی و درویشی اور خوش مزاجی و خوش خلقی
ران کی خدمت میں حاضری اور ان کی پاکیزہ سیرت اور مطہر
وا، ہر بار نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور لطف و کرم سے پیش
ند کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔
''ض''

☆☆☆

ادبیات

مناجات در رباعیات
(۳)

از:- جناب رئیس احمد نعمانی☆

قدرت کا دکھا اپنی کرشمہ یا رب
کردے مری دنیا میں اجالا یارب
کچھ قطرے ہی کافی ہیں تری رحمت کے
میں تجھ سے نہیں طالب دریا، یارب

ہو زیست کا یہ بننا ، سنورنا یارب
یا نزع کی منزل سے گزرنا، یارب
اس عالمِ اسباب میں بس اپنے سوا
محتاج کسی کا بھی نہ کرنا یارب

بھائے نہ انہیں دیں کا طریقہ یارب
چھوڑیں ترے محبوبؐ کا اسوہ یارب
ہیں کیسے مسلمان کہ جو پیش نظر
کفار کا رکھتے ہیں نمونہ یارب

دل جن کے پژمردۂ مغرب یارب
کھاتے ہیں جو پس خوردۂ مغرب یارب
حق دیکھنے ، سننے کی انہیں دے توفیق
جو لوگ ہیں پروردۂ مغرب یارب

ہے ربط جنہیں بنتِ عنب سے یارب
کیا کام انہیں نام و نسب سے یارب
مجھ کو تو نہ ہوگی کوئی حیرت ، ان کے
ہوں مسخ اگر صورت و قالب یارب

بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاؤں یارب
اندھے ہوں تو گرنے سے بچاؤں یارب
جن لوگوں کی ہنڈا سی ہیں روشن آنکھیں
کیوں کر انہیں خورشید دکھاؤں یارب

(باقی)

☆ ہاؤس نمبر ۴ر ۱۱۸، اے لوکو کالونی (نئی آبادی) علی گڑھ

اول): از مولانا عبدالقیوم حقانی، متوسط سے قدرے
، مجلد، صفحات ۶۴۰، قیمت درج نہیں، پتہ: مولانا سید
ں آباد، نوشہرہ، پاکستان۔

ب ومترجم، پاکستان کے نمایاں اہل قلم عالم اور مشہور محدث مولانا
ں کتابوں میں حقائق السنن اور توضیح السنن کے نام سے امام
سنن کی شرحیں بڑی مقبول ہوئی، فقہ حنفی پر بھی ان کی گہری نظر
یں ان کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے، شمائل ترمذی کے ترجمے
یخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا ترجمہ وتشریح اس لحاظ
ں اکابر قدماء کے مضامین ومولفات، رفع تعارض، اختلاف
یس ودل کش ترجمے کا عمدہ اہتمام کیا گیا ہے، زیر نظر شرح ان
ر رواۃ حدیث کے تراجم اور مفصل تشریح سے بھی مزین ہے اور
ت کے لیے ہے، تشریح میں عام اردو داں طبقہ ان کے پیش نظر
ت ہے کہ سننے اور سنانے والوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو
ے نمایاں ہے، ترجمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زیادہ تر شیخ الحدیث
، فاضل شارح کی یہ کاوش قابل قدر ہے البتہ رواۃ کے تراجم
رتوں کی وجہ سے یکسانی کی کمی ہے، بعض تشریحات میں زوائد
سفیدی کے اسباب میں سورۂ ہود وغیرہ سورتوں کا ذکر ہے لیکن
ں تھا، ایسی عربی عبارتیں کثرت سے ہیں جن کو بطور استدلال
لخیص کی ضرورت اردو میں محسوس نہیں کی گئی، مثلاً فضل ثرید کی
ت عائشہؓ وفاطمہؓ کی فضیلت میں ملا علی قاری کے قول فیصل کو

من وعن عربی میں نقل کر دیا گیا جب کہ پوری بحث اردو میں تھی، وضاحت طلب عبارتیں بھی ہیں، مثلاً یہ کہ "احناف کے نزدیک منقطع روایت مسند سے بھی زیادہ معتبر ہے"، اسی طرح سعید بن عروبہ کے بارے میں یہ جملہ ہے کہ "وہ اپنے وقت کے امام تھے، ان کی بہت سی مولفات میں قدری تھے" تہبند کے بارے میں یہ لکھنا بھی عجیب ہے کہ "نصف ساق تک سنت اور ٹخنوں تک مستحب ہے" اسی سلسلے میں لکھا گیا کہ "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی پنڈلی پر نظر پڑ جائے تو جائز ہے مگر یہ تب ہے جب فتنے کا اندیشہ نہ ہو" حالاں کہ حدیث کے الفاظ سے یہ مفہوم کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا، "کتمان فقر کے لیے لباس فاخرہ پہننا افضل ہے" اس جملے کا ابہام واضح ہے، ما اکل رسول اللہ ﷺ علی خوان کا ترجمہ کہ "حضور ﷺ نے کبھی اخیر عمر تک میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا" ترجمے کے ساتھ زیادتی ہے، اسی طرح فنھس منھا کا ترجمہ یوں ہے کہ "حضور ﷺ نے دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا"، ترجمہ صرف ترجمہ ہونا چاہیے، تشریح کی جگہ اور ہے، وکان یعجل الیھا لانھا اعجلھا نضجاً کا ترجمہ بھی اسی قسم کا ہے کہ "حضور ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل علمیہ میں مصروف ہوں" ایک جگہ ترجمے میں غیر واضح عبارت اس طرح ہے کہ "کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ کا بدن روشن اور چمک دار نظر آتا تھا، چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو" لیکن شیخ الحدیث مولانا کاندھلوی کے ترجمے میں چہ جائیکہ سے پہلے یہ جملہ بھی ہے "یا یہ کہ بدن کا وہ حصہ بھی جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا، روشن اور چمک دار تھا" حضرت خدیجہؓ کے ذکر میں یہ کہنا کہ وہ دور جاہلیت میں نہایت دولت مند تھیں اور اپنی ساری دولت حضور ﷺ کے ایک اشارے پر آپ کے قدموں میں نچھاور کردی" صحیح واقعہ کو غلط سیاق میں پیش کرنا ہے، خیاط صحابی کی دعوت کو یہ کہنا کہ "چاہے دعوت کرنے والے کسی کیوں نہ ہوں" اردو کے مزاج و مذاق سے لاعلمی کا مظہر ہے، ایک عبارت یوں ہے کہ "جس نے چالیس روز تک گوشت نہ کھایا ساء خلقه" یہاں ساء خلقه کا ترجمہ ضروری تھا، قمیص کے بارے میں لکھا گیا کہ "مروجہ قمیص تو فاسق وفاجر اور بازاری لوگ پہنتے ہیں جو علما، شرفا کے پہننے کی نہیں" یہ اعتدال واحتیاط کے خلاف ہے، بعض جگہوں پر تعبیرات بھی واضح نہیں مثلاً امام ترمذی نے ان سے اخراج کیا، کہیں مقامی لہجہ بھی ہے مثلاً "جارہ اڑا کر منصوب پڑھ لیتے ہیں، دادا کی جگہ دادے، پلٹھے وغیرہ الفاظ بھی ہیں، اتنی ضخیم کتاب میں کتابت کی صحت قابل داد ہے لیکن ایک جگہ

لتین کا سہورہ گیا ہے۔

آزادی ہند اٹھارہ سوستاون: از جناب سید خورشید مصطفی رضوی،

مدہ کاغذ و کتابت وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۸۰۲، قیمت ۵۰۰

رام پور رضا لائبریری، حامد منزل، رام پور، یوپی۔

ریک آزادی کے متعلق اردو کے علاوہ انگریزی اور ہندی میں کتابوں کی کمی
احساس بجا ہے کہ نوآبادیاتی استعمار کے خلاف اس غیر معمولی سرفروشانہ تحریک
تجزیہ، مورخانہ غیر جانب داری کے ساتھ کم کیا گیا، انگریز مورخوں نے گرچہ
ہمیت دی لیکن ان کے قومی واستعماری مزاج نے واقعات کی روایت میں
نی کو زیادہ راہ دی جس نے ۱۸۵۷ء اور اس سے ماقبل تحریکات کے مطالعہ
ے کردیا، لیکن اس داستان کی حقیقت بہرحال وقائع نویسوں کے کاغذات
میں وقت نے محفوظ رکھنے کی کوشش کی، زیر نظر کتاب کے فاضل مولف
ب داری سے اصل واقعات کو بے کم وکاست پیش کیا جائے، چنانچہ قریب
محنت وکاوش کا ایک نتیجہ "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" نامی کتاب کی شکل میں
ر نے اس کی داد دی، کتاب بہت مقبول ہوئی لیکن فاضل مصنف مطالعہ و
تلاش و یافت میں مصروف رہے، زیر نظر کتاب اسی دیدہ ریزی وجگر کاوی
، میرٹھ اور روہیل کھنڈ کی تحریک آزادی کے ہر واقعہ بلکہ ہر جزیے کی تفصیل
بھی زیادہ اہم ۱۸۵۷ء کی تحریک کے پس منظر کی وہ تفصیل ہے جس میں
ے ملک میں نوآبادیاتی قبضے اور استعمار کے غلبے کے خلاف بپا ہونے والی
چینیوں کا احاطہ کیا گیا ہے، معاشی استحصال، مذہبی امور میں مداخلت،
غ اور ہندو مسلم رواداری اور باہمی خیر سگالی کی مضبوط اور قدیم روایات میں
ب کی نشان دہی اس کتاب کی بڑی خوبی ہے، فاضل مصنف نے تحقیق کا حق
معلوم ماخذ سے رجوع کیا جس کا اندازہ ایک علاحدہ بحث، ماخذ کا سرسری
نگریزی، فارسی اور اردو کے جن ماخذ کا ذکر کیا گیا کم محققین کو ان کا علم ہوگا،
ہے، یہ باب اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے بجائے خود ایک اہم

کلید ہے، تلاش وتحقیق نے اس کتاب کا پایہ بڑا بلند کردیا ہے، مولوی احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد ان کی نعش کو انگریزوں نے جلا کر راکھ دریا میں بہادی اور ان کے سر کو شاہ جہاں پور کی کوتوالی میں آویزاں کردیا گیا، اس سر کے مدفن کے بارے میں کئی روایتیں ہیں، ایک انگریز مورخ نے جب یہ لکھا کہ دوسری جنگ عظیم تک لندن کے رائل کالج کے میوزیم میں یہ سر موجود تھا تو فاضل مصنف نے میوزیم کے ڈائرکٹر کو خط لکھ کر اس کی تصدیق چاہی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر واقعہ کے ثبوت واستناد کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، کتاب کی ایک اور خوبی اس کا انداز نگارش ہے، رنگ آمیزی سے پاک، آسان وشستہ زبان بڑی دل نشیں ہے، چند نادر تصویروں، اہم دستاویزوں اور فوٹو کاپیوں سے بھی کتاب مزین ہے، فاضل محقق پروفیسر نثار احمد فاروقی کا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ یہ اپنے موضوع پر سب سے طویل اور مستند کتاب ہے، رضا لائبریری اہل علم کی جانب سے شکریے کی مستحق ہے کہ اس نے اس قابل قدر کتاب کو شایان شان طریقے سے شایع کیا۔

مختار نامہ: مرتبین، ڈاکٹر عطا خورشید اور جناب مہر الٰہی ندیم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۹۲، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: علی گڑھ ہرنیج پبلی کیشنز: ۴/۱۶۰۷، مزمل منزل کمپاؤنڈ، دودھ پور، علی گڑھ۔

علم ودانش، ادب وتحقیق کے جن چند افاضل سے موجودہ اردو دنیا سربلند وسرخ رو ہے، ان میں فاضل گرامی پروفیسر مختار الدین احمد کا نام نامی خاص طور پر نمایاں ہے، قدیم وجدید علوم کا ایسا امتزاج کم دیکھنے میں آتا ہے، عربی اور اردو میں ان کی بلند پایہ تحقیقی وتنقیدی نگارشات ان کی پیہم جستجو اور محنت کا نتیجہ ہیں، نایاب متون کی دریافت، تحقیق وترتیب خصوصاً مخطوطات شناسی میں ان کی مہارت کا اعتراف عام ہے، ان کی علمی فتوحات کا سلسلہ بڑا دراز ہے، ان کی زندگی اور ان کا سرمایۂ علم دوسروں کے لیے سامان بصیرت اور سرچشمۂ فیضان ہے، زیر نظر کتاب اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک اہم نقش کی حیثیت رکھتی ہے جس میں فاضل گرامی کی اردو، عربی تصنیفات و تالیفات کے علاوہ ان کی انگریزی اور ہندی کتابوں، مضامین، مقالات، مکتوبات کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے، یہ اشاریہ اس لحاظ سے بھی مکمل ہے کہ اس میں پروفیسر صاحب کی شخصیت اور ان کی نگارشات کے متعلق دوسری تحریروں، تحقیقی مقالوں حتی کہ ان کے نام معنون کی گئی کتابوں کی

بنیاد پر ان معلومات کی استنادی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کتاب میں کئی نایاب فرامین اور قدیم اودھ کے نقشے بھی ہیں، البتہ ٹیبل نمبر-۱، میں اودھ کے چکلوں کی فہرست میں دریاباد کا نام غلط لکھ دیا گیا ہے۔

اسلامیات حصہ اول تا چہارم: از جناب مولانا عبدالبراثری، قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، صفحات بالترتیب ۹۶، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۲۰، قیمت بالترتیب ۲۵، ۲۵، ۲۵ اور ۳۰ روپے، پتہ: کوکن ایجوکیشن اینڈ ویلفیر ٹرسٹ ۳۵۴-۱۸/B، الرضوان، ملت نگر، اندھیری ویسٹ، ممبئی۔

مہاراشٹر میں اردو کی بقا اور ترویج کی کوششیں دوسرے علاقوں خصوصاً شمالی ہند کے لیے قابل رشک ہیں اور لایق تقلید بھی، ربع صدی قبل وہاں کے اردو ہائی اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کے لیے دینی تعلیم و تربیت کے باقاعدہ انتظام کی کوششیں کی گئیں اور اس کے لیے ایک نصابی سلسلہ بھی تیار کیا گیا، اب جدید تقاضوں کی روشنی میں ایک اور جامع نصاب کی ضرورت محسوس کی گئی، زیر نظر کتابوں کا یہ سلسلہ پانچویں سے آٹھویں جماعت تک کے لیے تیار کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ایمان و عبادات، معاشرت اور تاریخ اسلام کی معلومات طلبہ کے ذہن و مزاج اور سن و سال کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے آسانی سے فراہم کی جاسکیں، اس نصاب میں منتخب آیات و احادیث کو مع ترجمے کے حفظ کرانے کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً پہلی کتاب میں سورۂ فاتحہ اور چند چھوٹی سورتیں ہیں، اسلام، ایمان، نماز، روزہ، طہارت، والدین کے حقوق، امانت، صلہ رحمی جیسے مضامین ہیں، انبیا کرامؑ میں حضرت آدم، نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کا ذکر ہے، سیرت طیبہ پر بھی دو سبق ہیں، ہر سبق کے آخر میں مشقی سوالات بھی ہیں، کتابوں کے مرتب جامعۃ الفلاح کے فارغ اور صاحب قلم عالم ہیں، ان کو تدریسی تجربہ بھی ہے، ان کتابوں کی ترتیب سے ان کی صلاحیتیں اور خوبی سے ظاہر ہوئی ہیں، ان کتابوں کی اشاعت کے لیے کوکن ایجوکیشن کے ذمہ دار بھی مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے اس نصابی سلسلے کو آب و تاب سے شائع کیا ہے، کاغذ اور طباعت کے لحاظ سے قیمت بھی کم ہے، یہ سلسلۂ اسلامیات اس لایق ہے کہ اور دینی اداروں میں بھی اس کو شامل کیا جائے۔

ع - ص

☆☆☆

یں لاہور کے روزنامہ احسان میں شاید ان کی پہلی تحریر "سلاطین مغلیہ کی
ے شایع ہوئی اور اس کے بعد نصف صدی سے زیادہ کے عرصے میں
ں و تحقیقی جواہر پاروں سے اردو کا دامن مالا مال کردیا، لایق مرتبین نے
ں کا ایک خوبصورت مجسمہ پیش کردیا ہے، پروفیسر صاحب کی شخصیت کا
ف ڈاکٹر عطا خورشید کے قلم سے ہے اور واقعی خوب ہے، ان کی یہ
حب کو شایانِ شان خراج تحسین پیش کرنے کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ
ر کے مجموعوں کی شکل میں شایع کیا جائے۔

STUDIES IN THE ANATOMY OF A TRANSF

AWADH, FROM MUGHAL TO COLON

ن جعفری، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت عمدہ، مجلد مع گردپوش، صفحات
پے، پتہ: گیان پبلشنگ ہاؤس، ۵-انصاری روڈ دریا گنج، نئی دہلی۔

ہاں اپنی گنگا جمنی تہذیب، نفاست، نزاکت اور علم نوازی و ادب پروری
ں کی سیاسی تاریخ خصوصاً انگریزوں کی عمل داری کے خلاف باشندگانِ
ر فروشی کے لحاظ سے بھی کم اہم نہیں، اس سرزمین کی زرخیزی مثالی ہے،
ل عہد سے ۱۸۵۷ء تک اس خطے کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق
پی ایچ ڈی کے لیے بھی انہوں نے اودھ کی زراعتی تاریخ کا عنوان
ں نے ایسے کئی نادر اور اہم دستاویزات کی یافت کی جن کی مدد سے اودھ
خ کے کئی پہلو روشن ہوئے، چنانچہ انہوں نے سترہویں صدی کے نظام
غ، مسلح زمیندار، برطانوی مداخلت کا زرعی استحکام پر اثر، زمیندارانہ
ودھ کے صوفی مرکزوں کی جائداد و وراثت خصوصاً سلون کی مشہور خانقاہ
کیے، مولوی احمد اللہ شاہ پر بھی اودھ کی تاریخ کے حوالے سے ایک
اس کتاب میں شامل ہیں، اودھ کی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں
ت ہیں اور پروفیسر عرفان حبیب کے الفاظ میں سولہویں صدی سے
ودھ کے مختلف تغیرات کا ان سے اندازہ ہوتا ہے، فارسی مخطوطات کی

...فکر تعلیم، ...ور

عظیم مفکر، شاعر

2004

...ین

علامہ جمیل مظہری

1904

...صدی تقریبات کا سال ھے

...کی دنیا میں زبان کے بہترین استعمال، بیان وبلاغت کے حسن وجمال ...کے ساتھ رقت ودقتِ فکر، نفسیاتی ژرف بینی اور فلسفیانہ تعمق کی بھی ...ہے، وہ فن جو حسنِ اظہار وبیان کے ساتھ حسنِ تفکر سے بھی مالا مال ہو ...میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور ایسا ہی ''فن''، فکری اور عملی دنیاؤں ...کا نقیب بھی بنتا ہے، ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین اور علامہ جمیل مظہری ...بود کی خاطر انتہائی دردمند دل ودماغ رکھنے والے مفکر، ادیب اور ...ہیں فکری اور فنی دونوں اعتبار سے امتیاز وعظمت حاصل ہے۔

...ظر مجلس فکر و فن نے

2004ء کو

...السیدین اور علامہ جمیل مظہری

...صدی سال کے طور پر منانے کی اپیل کی ہے!

...جو مظہری کا ہو ☆ مگر یہ شرط ہے اکیسویں صدی کا ہو

مجلس فکر و فن

...انجمن اعتدال پسند مصنفین)

...ن ☆ نیو یارک ☆ تہران ☆ سڈنی

...S سفینہ روڈ، جوگا بائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

تصانیف مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

اسوۂ صحابہؓ (حصہ اول): اس میں صحابہ کرامؓ کے عقاید، عبادات، اخلاق ومعاشرت کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ قیمت ۵۰ روپے

اسوۂ صحابہؓ (حصہ دوم): اس میں صحابہ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ قیمت ۵۶ روپے

اسوۂ صحابیاتؓ: اس میں صحابیاتؓ کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یکجا کردیا گیا ہے۔ قیمت ۲۰ روپے

سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ: اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مفصل سوانح اور ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ہے۔ قیمت ۳۲ روپے

امام رازیؒ: امام فخرالدین رازیؒ کے حالات زندگی اور ان کے نظریات وخیالات کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔ (زیر طبع)

حکمائے اسلام (حصہ اول): اس میں یونانی فلسفہ کے مآخذ، مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت اور پانچویں صدی تک کے اکابر حکمائے اسلام کے حالات، علمی خدمات اور فلسفیانہ نظریات کی تفصیل ہے۔ قیمت ۱۵۰ روپے

حکمائے اسلام (حصہ دوم): متوسطین ومتاخرین حکمائے اسلام کے حالات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۹۰ روپے

شعر الہند (حصہ اول): قدما سے دور جدید تک کی اردو شاعری کے تغیر کی تفصیل اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ۔ قیمت ۸۰ روپے

شعر الہند (حصہ دوم): اردو شاعری کے تمام اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی وادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔ قیمت ۷۵ روپے

تاریخ فقہ اسلامی: تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔ قیمت ۱۲۵ روپے

انقلاب الامم: سرتطور الامم کا انشاپردازانہ ترجمہ۔ قیمت ۵۵ روپے

مقالات عبدالسلام: مولانا مرحوم کے ادبی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ۔ قیمت ۶۰ روپے

اقبال کامل: ڈاکٹر اقبال کی مفصل سوانح اور ان کے فلسفیانہ وشاعرانہ کارناموں کی تفصیل کی گئی ہے۔ قیمت ۸۵ روپے